ماہنامہ محدث بنارس

www.mohaddis.org

سرپرست

عبداللہ سعود بن عبدالوحید

مدیر

مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی

معاون مدیر

مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی — **مولانا عبدالمتین مدنی**

عدد مسلسل: ۳۵۸

جلد: ۳۱ ، شمارہ: ۱۰

ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ = اکتوبر ۲۰۱۳ء

بدل اشتراک

- ہندوستان: **150** روپے
- بیرون ممالک: **40** ڈالر
- فی شمارہ: **15** روپے

اشتراک کے لیے ڈرافٹ مندرجہ ذیل نام سے بنوائیں

Name: **DAR-UT-TALEEFWAT-TARJAMA**
Bank: **ALLAHABAD BANK**
KAMACHHA, VARANASI
A/cNo.2**1044906358**
IFSC Code: ALLA0210547
SWIFT Code: ALLAINBBVAR

مراسلت کا پتہ

Darut Taleef Wat Tarjama
B.18/1-G, Reori Talab,
Varanasi - 221010

اس شمارہ میں

۱-درس قرآن	عبداللہ سعود بن عبدالوحید	۲
۲-درس حدیث	مولانا عبدالمتین مدنی	۳
۳-افتتاحیہ	مولانا عبدالمتین مدنی	۴
۴-رمضان کے بعد بھی نیکیوں.....	الشیخ علی عبدالرحمٰن الحذیفی	۷
۵-مساکین کی مدد نفلی حج سے بہتر	الشیخ عبداللہ زید المحمود	۱۱
۶-امن عالم اور اسلام	عبدالسمیع محمد ہارون سلفی	۱۷
۷-نبی اکرم ﷺ کی شجاعت.....	محمد اسلم مبارک پوری	۲۴
۸-عصری جامعات سے اعلیٰ تعلیم..	انیس الرحمٰن حرم	۳۲
۹-صحابیٔ رسول حضرت عبدالرحمٰن..	فرید احمد خورشید احمد	۴۰
۱۰-اخبار جامعہ	ادارہ	۴۵
۱۱-باب الفتاوی	مولانا نورالہدیٰ سلفی	۴۷

نوٹ : ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

ان دوفرقوں میں سے امن کا کون زیادہ مستحق ہے اگر تم جانتے ہو؟ (سورہ انعام:۸۱)

(اختلاف امت کے اسباب)

(۱۶)

عبداللہ سعود بن عبدالوحید

پچھلے صفحات میں اسلام کی دو اساس کتاب وسنت کے بارے میں ان حقائق کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے جن سے یہ معلوم ہو سکے کہ جس قرآن اور حدیث کی اتباع کی دعوت دی جاتی ہے اس کی حقیقت کیا ہے اور اس کی کیا اہمیت ومقام ہے۔

اللہ کے رسول محمد ﷺ نے گمراہی سے بچنے اور صراط مستقیم پر گامزن رہنے کے لیے ان ہی دو اساس کو لازم پکڑنے کی وصیت فرمائی تھی جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے: "ترکت فیکم أمرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما کتاب الله وسنة نبیه ﷺ"۔ (موطأ امام مالک) اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں جب تک تم ان دونوں کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے کبھی گمراہ نہ ہو گے، ایک اللہ کی کتاب قرآن مجید ہے اور دوسری میری سنت یعنی احادیث نبوی۔

یہ دونوں اساس محفوظ ہیں، اللہ تعالی نے ان کی حفاظت کا انتظام خود فرمایا ہے، کس طریقہ سے یہ دونوں مرتب ہوئیں اور کتابی شکل میں محفوظ ہوئیں پچھلے صفحات کے مطالعہ سے ان کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

آج مسلمانوں کا ہر فرقہ اپنے کو ان سے جوڑنے کا دعوی کرتا ہے، اور ہر مختلف فیہ مسئلہ میں انہیں سے دلیل پیش کرتا ہے۔ یہ بہت اچھی بات ہے اور یہی اتحاد امت کا معیار ہونا چاہئے، اس میں کسی طرح کا تعصب اور ہٹ دھرمی مناسب نہیں اور جہاں ہٹ دھرمی اور تعلی کی بات آتی ہے وہاں عناد اور دشمنی پیدا ہوتی ہے جو اختلاف کی اصل وجہ ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالی نے اہل کتاب میں فرقہ بندی کی اصل وجہ یہی ہٹ دھرمی اور ضد کو بتلایا ہے: ﴿وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِن بَعْدِ مَا جَاءتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ﴾ (سورہ بقرہ:۲۱۳) کہ اہل کتاب میں اختلاف اسی وقت رونما ہوا جب ان کے پاس دلائل آگئے تھے صرف آپس کی دشمنی اور بغض وعناد کی وجہ سے ایسا ہوا۔

اللہ کے رسول محمد ﷺ کے ذریعہ اہل کتاب کو اتحاد کی دعوت دی گئی، اس دعوت میں جن تین نکات کا ذکر ہے وہ قابل غور ہیں۔ پہلا نکتہ یہ ہے کہ ہم سب صرف اللہ کی عبادت کریں اور اپنے کو اس کا بندہ تسلیم کریں۔ دوسرا اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں اور تیسرا یہ کہ ہم میں سے کوئی اللہ کے علاوہ کسی کو رب کا درجہ نہ دے: ﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْاْ إِلَى كَلَمَةٍ سَوَاء بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلاَّ نَعْبُدَ إِلاَّ اللّهَ وَلاَ نُشْرِكَ بِهِ شَيْئاً وَلاَ يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضاً أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللّهِ﴾ (آل عمران:۶۴)

(بقیہ صفحہ ۱۶ پر)

درس حدیث

سنت قربانی کی اہمیت

مولانا عبدالمتین مدنی

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَنْ كَانَ لَهُ سَعَةٌ وَلَمْ يُضَحِّ فَلَا يَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا. (سنن ابن ماجہ:۲/۱۰۴۴، حدیث:۳۱۲۳، مسند امام احمد:۲/۳۲۱، اسنادہ حسن، صحیح سنن ابن ماجہ للألبانی:۲/۱۹۹، حدیث: ۲۵۳۲، انجاز الحاجۃ:۹/۳۳۲، مسند احمد، تحقیق: احمد محمد شاکر:۸/۲۶۱، حدیث:۸۲۵۶)

ترجمہ: صحابیٔ رسول حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جسے وسعت وفراخی حاصل ہے (اس کے باوجود) اس نے قربانی نہ کی تو وہ ہرگز ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔

قربانی اسلام کا شعار اور ایک اہم ترین سنت ہے، یہ نہ صرف ابوالانبیاء ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کی یاد دلاتی ہے بلکہ ایک مسلمان کے دل میں رضائے الٰہی کے لیے قربانی دینے کا جوجذبہ ہونا چاہئے اس کا بھی درس دیتی ہے۔

سنت قربانی اخلاص اور طیب نفس کے ساتھ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، نام ونمود اور دکھاوا عمل کے اجر وثواب کو غارت کر دیتا ہے اور نیکی کے کاموں کو انشراح صدر کے ساتھ انجام دینا نیکی سے محبت کی دلیل ہے۔

اس سنت کو عیدالاضحیٰ اور ایام تشریق ۱۱، ۱۲ اور ۱۳ ذی الحجہ کو ادا کرنا مشروع ہے، لیکن سب سے افضل دسویں ذی الحجہ کی قربانی ہے۔

قربانی کا جانور ظاہری عیوب سے پاک اور عمدہ ہونا چاہئے، تعداد بڑھانے کے لیے سستے جانور خریدنے کے بجائے عمدہ جانور خریدے جائیں اور اگر جانور کو پال پوس کر قربانی کی جائے تو یہ اور اچھا اور قربانی کے مقصد کے عین مطابق ہے۔ ایسے علاقے جہاں فقراء ومساکین کی کثرت ہو اور انہیں قربانی کا گوشت میسر نہیں اہل ثروت کو چاہئے کہ ان علاقوں میں قربانی کے جانور بھیج دیں تاکہ وہاں کے باشندے ان کو ذبح کر کے آپس میں گوشت تقسیم کر لیں، البتہ بھیجنے کے وقت جس کی طرف سے وہ قربانی ہونی ہے اس کی نیت کر لیں۔

اگر کوئی شخص قربانی کرنے کی استطاعت رکھتا ہے مگر اس کے باوجود بغیر کسی معقول عذر کے قربانی نہیں کرتا تو وہ اسلام کا اہم شعار کے ادا کرنے میں کوتاہی اور انبیاء وصحابہ کی سنت سے گریز کر رہا ہے، ایسے شخص کو یہ حق نہیں پہونچتا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ اٹھے بیٹھے اور ان کے دینی اجتماعات میں شرکت کرے، جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں شارحین حدیث نے لکھا ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ آج مسلمانوں کا ایک طبقہ جو اپنے آپ کو روشن خیال سمجھتا ہے، حالانکہ یہ روشن خیالی نہیں بلکہ باطل افکار ونظریات اور غیر اسلامی تہذیب سے مرعوبیت کا نتیجہ ہے۔ بعض دیگر شعائر کی طرح سنت قربانی کو بھی اہمیت نہیں دیتا بلکہ ان کی تحریروں سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ فی زمانہ اس عبادت میں صرف ہونے والی خطیر رقم دوسرے اہم ملی کاموں میں لگا دیا جائے۔ كلمة حق أريد بها الباطل۔ بات تو بڑی خوشنما ہے لیکن مقصد کچھ اور۔ ہمیں ملی ورفاہی کاموں کی اہمیت سے انکار نہیں ہے، لیکن ان کو قربانی کے مد میں صرف ہونے والی رقم سے ہی کیوں انجام دیا جائے، دوسرے غیر ضروری اخراجات کو پس انداز کر کے کیوں نہیں؟ مذکورہ بالا حدیث سے اس سنت کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اب جو لوگ اس سنت سے غفلت برتتے ہیں وہ مذکورہ بالا حدیث کی روشنی میں اسلامی معاشرہ میں اپنی حیثیت کا اندازہ لگائیں۔

☆☆☆

افتتاحیہ

عازمین حج: گذارشات وتاثرات

حجاج کرام کے قافلے سوئے حرم رواں دواں ہیں، بلاتفریق رنگ ونسل اور بلا امتیاز ملک وملت سب کے بدن پر ایک ہی لباس اور سب کی زبان پر ایک ہی کلمہ ہے، کتنا اچھا یہ منظر ہے اور کتنا عظیم یہ مقصد ہے، کاش کہ یہ وحدت صرف ظاہری وحدت بن کر نہ رہ جاتی بلکہ ملت اسلامیہ اس عظیم سالانہ اجتماع سے اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کر لیتی۔ ایک اللہ، ایک رسول اور ایک کتاب کے ماننے والے "رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ" کا عملی نمونہ ہوتے، "بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ" کی زندہ تصویر بن جاتے۔

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ۔ کتنا پیارا توحید کا یہ ترانہ ہے، اللہ کی توحید کا اقرار اور باطل معبودان سے بیزاری اور ان کا انکار، اس ترانہ کے ساتھ اللہ کے گھر میں حاضر ہونے والے اللہ کے بندے اپنی عملی زندگی میں اسی عقیدۂ توحید کو اپنائیں، رب کے آگے جھکنے والی پیشانی کسی غیر کے آگے نہ جھکے، رب کے گھر کا رخ کرنے والے بندے کسی ''اور کے گھر'' کا رخ نہ کریں، رب کی عظمت ومحبت سے سرشار دل کسی اور کی محبت کے لیے کشادہ نہ ہو جائیں۔ توحید کا ترانہ صرف زبان پر نہ رہ کر قلوب واذہان میں راسخ ہو جائے، اس کے بعد پوری عملی زندگی توحید کے تقاضوں کی آئینہ دار ہو۔

ایک طرف حجاج کرام حرمین شریفین میں اتحاد کلمہ واتحاد ملت کا مظاہرہ کر رہے ہیں اور "بلد أمين" میں امن وامان کا مجسم پیکر بنے ہوئے ہیں تو دوسری طرف مصر وشام میں ہمارے کلمہ گو بھائی ایک بڑے امتحان سے گذر رہے ہیں، کہیں اقتدار کی رسہ کشی ہے تو کہیں پس پردہ دوسرے محرکات وعوامل کارفرما ہیں، علم وعرفان اور تہذیب وتمدن کی یہ سرزمین کب تک لہولہان رہے گی، خدارا صبر وضبط سے کام لیں، اقتدار کی بحالی کے لیے طاقت کا استعمال نہ کریں، ملک وقوم کے مفاد کو ترجیح دیں اور اس کے لیے اپنے ذاتی وسیاسی مصالح کو قربان کر دیں۔

ملک کی ترقی وخوشحالی کا دارومدار امن کے قیام پر ہے، قیام امن کے لیے پہل کیجئے، ارباب اقتدار کو غیر

مشروط تعاون دیجئے اور از خود اس کے مواقع فراہم کیجئے، اقتدار سے بے دخل ہو کر بھی اگر حزب مخالف ملک کی ترقی کے لیے کشادہ قلبی کے ساتھ اپنا تعاون پیش کرے تو ملک وقوم کی سچی خدمت یہی ہے، ارباب اقتدار کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ انتقام کے جذبہ سے کام نہ کریں، حکومت کی بالادستی اور امن وامان کی بحالی کو ترجیح دیں اور اپنے ناعاقبت اندیشانہ اقدامات سے ملک وقوم کو مزید انتشار وہلاکت سے دوچار نہ کریں۔

عالمی برادری اور عرب ممالک کے سربراہان کو بھی چاہئے کہ وہ سیاست کی بازی گری کرنے کے بجائے سچی ہمدردی اور خیر خواہی کے ساتھ اس بحران کو ختم کرانے کے لیے پہل کریں۔ یقیناً اس خطہ میں امن کا قیام عالمی امن کے قیام میں اہم کردار ادا کرے گا۔

حجاج کرام! آپ کے دیار حرمین شریفین میں ہیں، ''ضیوف الرحمٰن'' کے لیے خادم الحرمین الشریفین کے عظیم الشان انتظامات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، حرمین شریفین اور مشاعر حج کے جملہ انتظامات بجلی وپانی کی فراہمی، وسیع ترین شاہراہیں، چپے چپے پر حفاظتی عملہ، زمین وفضا سے ہر انتظام کی نگرانی، ہر جگہ علاج ومعالجہ کی بہتر سہولتیں، عمدہ رہائش اور سواریوں کا انتظام، صفائی وستھرائی کا چست انتظام، انواع واقسام کے تازہ وعمدہ کھانے، انتہائی امن وسکون کے ساتھ روح پرور ماحول میں عبادتوں کی ادائیگی، حرم مکی کی تاریخ ساز توسیع، مطاف کی توسیع، معذور وسن رسیدہ لوگوں کے لیے عارضی مطاف کی تعمیر، جمرات کی نئی تعمیر وغیرہ۔ الغرض اس حکومت رشیدہ نے حجاج کرام کی خدمت کے لیے کوئی کسر باقی نہ رکھی، وزارۃ الحج کے علاوہ دوسری کتنی وزارتیں ان انتظامات میں عملا شریک ہیں یا ان کی دیکھ ریکھ میں رات ودن مصروف ہیں، سرکاری، نیم سرکاری اور رضا کار ادارے اپنے اپنے شعبوں سے متعلق کاموں کو پوری مستعدی کے ساتھ انجام دیتے ہیں، اور ان سب کا سہرا مملکت توحید کے قائد اعلی خادم الحرمین الشریفین عبداللہ بن عبدالعزیز حفظہ اللہ کے سر ہے، جو ضیوف الرحمٰن کی خدمت کو اپنے لیے اور اپنی حکومت کے لیے سب سے بڑی سعادت سمجھتے ہیں اور ان خدمات کو انتہائی خوش دلی کے ساتھ انجام دیتے ہیں۔ ان خدمات جلیلہ کو دیکھ کر دیار حرمین میں جانے والے ہر شخص اپنے دل میں ان سے بے پناہ محبت رکھتا ہے اور اس کی زبان پر ان کے لیے مخلصانہ دعائیں ہیں۔

اللہ تعالی ان خدمات عظیمہ کو قبول فرمائے، حکومت رشیدہ، اس کے قائد اعلی اور ان کے اخوان واعوان کو

اپنی عافیت میں رکھے اور ہر قسم کے شر سے محفوظ رکھے، آمین۔

حجاج کرام! آپ نے ایک عظیم فریضہ کی ادائیگی کے لیے ''بلد امین'' کا رخت سفر باندھا ہے، آپ دوران سفر امن وسلامتی کے ہر تقاضا کو پورا کریں، کسی کے ورغلانے یا سیاسی ودینی اشتعال کا شکار ہوکر اس اہم ترین مطلوب کو پامال مت کیجئے۔ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ۔ (البقرۃ: ۱۹۷) جو ان مہینوں میں اپنے اوپر حج کو لازم کرلے تو وہ اپنی بیوی سے ملاپ کرنے، گناہ کرنے اور لڑائی جھگڑا کرنے سے بچتا رہے۔ اس فریضہ کی عظمت، حرمین کی حرمت اور آپ کا نیک مقصد ان سب کا آپ سے یہی تقاضا ہے کہ آپ سے دوران حج یا دوران قیام سرزمینِ مقدس کوئی ایسا عمل سرزد نہ ہوجائے جو حج کی روح کے منافی، اس سرزمین کے امن وامان میں خلل ڈالنے والا اور بھولے بھالے حجاج کرام کو مشکلات اور خوف وہراس میں مبتلا کرنے والا ہو۔

اہل ایمان کے اس عظیم اجتماع کا مقصد سیاسی مصالح کا حصول یا فرقہ وجماعت کی افرادی طاقت کا اظہار نہیں بلکہ خالص روحانی ماحول میں عبودیت وبندگی کے تقاضے پورے کرکے رب کی رحمت ومغفرت حاصل کرنا ہے۔ مَنْ حَجَّ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ مِنْ ذُنُوبِهِ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ۔ (صحیح بخاری) جس نے حج کیا اور شہوانی باتوں اور فسق وفجور سے بچا وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہوجاتا ہے جیسے اس دن پاک تھا جب اسے اس کی ماں نے جنا تھا۔ اور اگر کوئی جماعت اس مقصد کو لے کر دیار حرمین آتی ہے، نظم ونسق کے مسائل پیدا کرتی ہے اور اس عظیم روحانی اجتماع کو سیاسی رنگ میں تبدیل کرنے کی سعی مذموم کرتی ہے تو اگرچہ حج انتظامیہ بڑے ہی صبر وضبط کے ساتھ ان نامساعد حالات کا سامنا کرنے کے لیے مستعد ہے، اور امن وامان کو قائم رکھنے کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرے گی ان شاء اللہ، لیکن ایسے لوگ اس وعید سے کیوں کر محفوظ رہ سکتے ہیں: وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ۔ (حج: ۲۵) اور جو بھی ظلم کے ساتھ وہاں الحاد کا ارادہ کرے تو ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے۔

☆☆☆

رمضان کے بعد بھی نیکیوں کا سلسلہ جاری رکھیں!

اِعداد: فضیلۃ الشیخ علی عبدالرحمٰن الحذیفی
امام وخطیب مسجد نبوی، مدینہ منورہ

ترجمہ: مولانا عبدالغفار سلفی
بنارس

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو بردبار، قدرداں، غالب اور بخشنے والا ہے۔ میں اپنے رب کی وہ حمد بیان کرتا ہوں جو اس نے خود بیان فرمائی اور اس کی ان متواتر نعمتوں پر اس کا شکریہ بجالاتا ہوں جو بے شمار ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اس کے لیے بہترین نام اور بلند صفات ہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے نبی اور ہمارے سردار محمد ﷺ اس کے بندے اور رسولِ مجتبیٰ ہیں۔ اے اللہ! تو رحمت وسلامتی اور برکت نازل فرما اپنے بندے اور رسول محمد ﷺ پر، آپ کے آل اور آپ کے صحابہ کرام پر۔

حمد وصلوۃ کے بعد:

اللہ سے ڈرو! اس کا ذکر وشکر بجالاؤ، اس کی عبادت کی ادائیگی کو لازم پکڑو اور اس کی نافرمانی سے اجتناب کرو۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ بہترین کمائی اور عظیم ترین ذخیرہ ہے۔ اللہ کے بندو! بیشک اللہ کا آپ کے اوپر عظیم حق ہے، کیونکہ اس نے اپنی پوری پوری نعمتیں آپ کو پہونچادیں، اور آپ کو آفتوں اور مصیبتوں سے دور رکھا۔ اسی نے آپ سب کو کتاب وسنت کی تعلیم فرمائی، اطاعت کے کاموں پر آپ کی مدد فرمائی اور حرام کاموں سے آپ سب کی حفاظت فرمائی۔ اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَمَن يَشْكُرْ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ﴾ (لقمان:۱۲) یعنی جو کوئی شکر کرے تو یقیناً وہ اپنی ذات کے لیے شکر کرتا ہے اور جس نے ناشکری کی تو بلاشبہ اللہ بے پروا ہے، سب خوبیوں والا ہے۔ اور اللہ نے فرمایا: ﴿فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْراً يَرَهُ، وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرّاً يَرَهُ﴾ (الزلزال: ۷-۸) یعنی جس نے ذرہ برابر بھلائی کی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔ اللہ کے نزدیک سب سے بہترین شکریہ ہے کہ اطاعت کے کاموں کا اہتمام کیا جائے اور حرام کاموں سے بچا جائے۔

مسلمانو! کتنا بہترین کام ہے کہ اطاعت کے بعد اطاعت کی جائے اور کتنا بُرا کام ہے کہ اطاعت کے بعد معصیت کی جائے۔ نیک عمل کے بعد نیک عمل کرنے سے اللہ کی جانب سے ثواب میں زیادتی ہوتی ہے اور اطاعت کے کاموں کے بعد بُرا کام کبھی کبھی تو عمل کو باطل کردیتا ہے اور کبھی اس کے ثواب کو کم کردیتا ہے۔ چنانچہ جس طرح نیکیاں بُرائیوں کو دور کردیتی ہیں، اسی طرح بُرائیاں بھی کبھی کبھی نیکیوں کو باطل کرڈالتی ہیں یا ان کا ثواب کم کردیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَأَقِمِ الصَّلاةَ

طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفاً مِّنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ذَلِكَ ذِكْرَى لِلذَّاكِرِيْنَ﴾ (ھود:۱۱۴)

یعنی ''اور آپ نماز قائم کریں دن کی دونوں طرفوں (صبح وشام) اور رات کی کچھ گھڑیوں میں، بیشک نیکیاں بُرائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔ یہ (اللہ کا) ذکر کرنے والوں کے لیے نصیحت ہے''۔ اور سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''اتق الله حيثما كنت واتبع السيئة الحسنة، تمحها وخالق الناس بخلق حسن'' کہیں بھی رہو اللہ سے ڈرتے رہو اور بُرائی کے پیچھے نیک عمل لگا دو، وہ اس بُرائی کو مٹا دے گا اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کا معاملہ کرو۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا أَطِيْعُوا اللَّهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ﴾ (محمد:۳۳) ''اے ایمان والو! تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے عملوں کو باطل نہ کرو۔''

اے وہ لوگو! جنہوں نے صیام وقیام کے ذریعہ اپنے نفس کو پاک کیا۔ جنہوں نے زکوٰۃ اور نیکوکاری کے ذریعہ اپنے مال کو پاک کیا۔ اے وہ لوگو! جنہوں نے تلاوتِ قرآن کی پابندی کی۔ اے وہ لوگو! جن کی رمضان کی ساعتیں رحمٰن کی اطاعت میں گزریں، اطاعت کے کاموں کو کرتے رہیے، معصیت سے بچتے رہیے۔ تبھی آپ اللہ کی رضا حاصل کرنے میں کامیاب ہوں گے اور تبھی آپ نقصان سے بچ پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ﴾ (الحجر:۹۹) ''اور آپ اپنے رب کی عبادت کریں حتی کہ آپ کے پاس یقین (موت) آجائے۔'' حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں: "ليس لعبادة المؤمن أجل دون الموت"۔ موت کے علاوہ مومن کی عبادت (کو ختم کرنے والی) کوئی مدت نہیں ہے۔ بشر الحافی سے کہا گیا کہ کچھ لوگ رمضان میں خوب محنت کرتے ہیں اور جب رمضان چلا جاتا ہے تو وہ محنت وریاضت چھوڑ دیتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: ''بئس القوم لا يعرفون الله إلا في رمضان'' کتنے بُرے ہیں وہ لوگ جو اللہ کو صرف رمضان میں پہچانتے ہیں۔

لوگو! بے شک آپ کا وہ رب جس کی آپ نے رمضان بھر عبادت کی وہ عظیم رب اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ ہر وقت اور ہر جگہ اس کی عبادت کی جائے۔ تو اے ابن آدم! تیری عزت، تیری کامیابی اور ہر بُرائی سے تیری نجات اسی میں ہے کہ اللہ کے لیے عاجزی اور انکساری کرے، اس سے محبت رکھے اور ہمیشہ اللہ عزوجل کا بندہ بن کر رہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَن تَابَ مَعَكَ وَلاَ تَطْغَوْاْ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيْرٌ﴾ (ھود:۱۱۲) ''(اے نبی!) آپ ثابت قدم رہیں جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے اور وہ لوگ بھی جنہوں نے آپ کے ساتھ توبہ کی (ایمان لائے) اور تم سرکشی نہ کرو، بے شک تم جو عمل کرتے ہو اللہ انہیں دیکھ رہا ہے۔''

سیدنا سفیان بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں: میں نے اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں عرض کیا

کہ اے اللہ کے رسول! مجھے اسلام میں کوئی ایسی بات بتلائیے کہ آپ کے علاوہ کسی سے نہ پوچھوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کہو کہ میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر اس پر استقامت پذیر رہو۔ (مسلم)

استقامت کا مطلب یہی ہے کہ اللہ رب العالمین کی اطاعت پر مداومت اختیار کی جائے۔

اطاعت کے بعد اطاعت:

مسلمانو! اللہ سے ویسا ڈرو جیسا ڈرنے کا حق ہے۔ اسلام کی مضبوط رسی کو تھام لو۔ اللہ تعالیٰ کا تقوی ہی یوم آخرت کے لیے سب سے اچھا زادِ راہ ہے۔

اللہ کے بندو! جان لو کہ ابلیس اور اس کی اولاد تمہارے دشمن ہیں۔ وہ ہر کارِ خیر سے آپ کو روکنے کے لیے گھات لگائے بیٹھے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اِس دشمن کے بارے میں بتلاتے ہوئے فرمایا: ﴿قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِيْ لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ، ثُمَّ لآتِيَنَّهُم مِّن بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَن شَمَآئِلِهِمْ وَلاَ تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِيْنَ﴾ (الاعراف:۱۶،۱۷)

(شیطان نے کہا) چونکہ تو نے مجھے گمراہ کر دیا تو میں (تیرے بندوں کے لیے) تیری راہِ مستقیم پر بیٹھ جاؤں گا پھر ان کے آگے سے آؤں گا، ان کے پیچھے، ان کی داہنی جانب سے اور ان کی بائیں جانب سے آؤں گا اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا۔''

لہذا عبادت کرنے والے، فرماں بردار، اطاعت کے کاموں کو ہمیشہ کرتے رہنے والے ہی اللہ تبارک وتعالیٰ کے شکر گزار ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کو چھوڑ دینے والے ہی اللہ عزوجل کی نعمتوں کی ناشکری کرنے والے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس دشمن سے ہمیں بچنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللَّهِ الْغَرُورُ، إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوّاً إِنَّمَا يَدْعُو حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ السَّعِيْرِ﴾ (فاطر:۵،۶)

اے لوگو! بیشک اللہ کا وعدہ برحق ہے اس لیے دنیاوی زندگی تم کو دھوکے میں نہ ڈال دے اور اللہ کے بارے میں تم کو دھوکہ نہ ہو جائے۔ بیشک شیطان تمہارا دشمن ہے، تم بھی اس کو اپنا دشمن بنالو۔ وہ اپنی جماعت کو اسی لیے بلاتا ہے تاکہ وہ جہنمی ہو جائیں۔

شیطان انسان کے اوپر اس کے نفس اور خواہشات ہی کے راستے داخل ہوتا ہے اس لیے اللہ کے بندو! بُرائی پر ابھارنے والے نفس سے بچو۔ اپنی خواہشات کی پیروی سے بچو۔ ﴿وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللَّهِ إِنَّ

اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ (القصص:۵۰) ''اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہوگا جو اللہ کی جانب سے کسی ہدایت کے بغیر اپنی خواہشات کی پیروی کرے۔ بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔'' اس لیے آپ کے اوپر آپ کے رب کا جو حق ہے اس کو ادا کیجئے۔ ہمیشہ اس کی اطاعت کرتے رہیے۔ حدیث میں نبی ﷺ سے وارد ہے کہ: ''إن الشيطان قعد لابن آدم بكل أطرقه، فما من طريق خير إلا وقد قعد له فيها. يريد أن يصده عن ذلك'' بے شک شیطان ابن آدم کے لیے اس کی تمام راستوں میں بیٹھا ہے، کوئی ایسا بھلائی کا راستہ نہیں جس سے روکنے کے مقصد سے وہ نہ بیٹھا ہو''۔

اللہ کے بندو! اللہ کی یہ بہت عظیم اور بڑی نعمت ہے کہ اطاعت در اطاعت کی جائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ پر بہت ساری اطاعتیں فرض کر رکھی ہیں۔ بھلائی کے دروازے کھول دیے ہیں۔ اچھے کاموں کی آپ کو ترغیب دی ہے اور بُرے کاموں سے آپ کو خبردار کیا ہے۔ جن چیزوں کو اللہ کے رسول ﷺ نے مشروع قرار دیا ہے اس میں سے ایک یہ بھی ہے کہ رمضان کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے جائیں۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے: ''من صام ستا من شوال فكأنما صام الدهر كله'' یعنی جس نے شوال کے چھ روزے رکھے گویا اس نے زمانے بھر کا روزہ رکھا۔'' اس لیے کہ نیکیوں کا بدلہ دس گنا ہے تو رمضان کے روزے دس ماہ کے برابر ہیں اور شوال کے یہ چھ روزے دو ماہ کے برابر۔

اللہ کے بندو! اللہ آپ کو ایک حکم دیتا ہے جس میں وہ ابتدا اپنی ذات سے کرتا ہے۔ فرماتا ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (الاحزاب:۵۶) ''بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر رحمت بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی اس پر درود اور خوب سلام بھیجو۔''

اور آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''من صلى علي صلوة واحدة صلى الله عليه بها عشرا'' جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔''

لہذا پہلوں اور بعد والوں کے سردار اور رسولوں کے امام پر درود وسلام بھیجئے۔

اللهم صل على محمد و على آل محمد كما صليت على إبراهيم و على آل إبراهيم انك حميد مجيد. اللهم بارك على محمد و على آل محمد كما باركت على إبراهيم و على آل إبراهيم إنك حميد و مجيد و سلم تسليما كثيرا.

☆☆☆

مساکین کی مدد نفلی حج سے بہتر

تحریر: الشیخ عبداللہ بن زید المحمود ترجمانی: مولانا مختار احمد ندوی

باری تعالی نے انسانوں کو اپنی بندگی کے لیے پیدا فرمایا اور توحید خالص اور اپنی اطاعت فرماں برداری کا انہیں حکم دیا، اور اس کا انہیں پابند کیا کہ ہر کوئی ان احکام کی خود تعمیل کرے اور اپنے اہل وعیال اور ماتحتوں کو اس کی تاکید کرتا رہے، قرآن پاک میں ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ (ذاریات:۵۶)

اور میں نے جن اور انسان کو اسی لیے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں۔

﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّى يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ﴾ (حجر:۹۹)

اور آپ اپنے رب کی عبادت کرتے رہئے یہاں تک کہ آپ کو موت آجائے۔

یہ عبادت جس کے لیے انسان خاص طور پر پیدا کیا گیا، اس کی دو قسم ہے:

(۱) فرائض: احکام خداوندی جن کا کرنا بے حد ضروری ہوتا ہے۔

(۲) نوافل: جن کا کرنا دل کی خوشی اور نشاط پر منحصر ہے۔

فرائض کی حیثیت اصل سرمایہ اور کل پونجی کی ہوتی ہے، ان کی فرضیت ذات باری تعالی کی طرف سے ہے، اس لیے ان کا ضائع کرنا اپنی کل پونجی برباد کرنا ہوا، نوافل کی حیثیت منافع اور فائدے کی سی ہے، اور فائدہ جب حاصل ہوتا ہے جب کہ اصل سرمایہ محفوظ اور قائم رہے، نوافل کے اندر حق تعالی نے یہ حکمت رکھی ہے کہ فرائض میں کوتاہی اور کمی ہو تو نوافل سے اس کی تکمیل اور تلافی کر دی جاتی ہے، چنانچہ غیبت کرنے سے روزہ کے اندر شگاف پڑ جاتا ہے، اور توبہ اور معافی سے یہ شگاف بحال ہو جاتا ہے، نوافل سے رغبت ہو جائے تو بندہ اپنے رب کا مقرب اور محبوب بن جاتا ہے، اور اس گروہ میں شامل ہو جاتا ہے جو سدا کامیاب اور بامراد رہیں گے۔

﴿أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاء اللّهِ لاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَ، الَّذِيْنَ آمَنُواْ وَكَانُواْ يَتَّقُونَ﴾ (یونس:۶۲-۶۳)

یاد رکھو اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ کسی مطلوب کے فوت ہونے پر مغموم ہوتے ہیں۔

صحیح بخاری میں حضور ﷺ سے روایت ہے کہ باری تعالی فرماتا ہے:

''جس نے میرے کسی ولی اور دوست سے دشمنی مول لی، میری طرف سے اسے کھلا ہوا اعلان جنگ ہے، کوئی بندہ میرا تقرب حاصل کرنا چاہے تو اس کا سیدھا راستہ یہ ہے کہ میرے فرائض کی پابندی کرے، فرائض کے ساتھ ساتھ نوافل بھی ادا

کرتا رہے تو اسے رفتہ رفتہ میری محبت حاصل ہوگی تا آنکہ وہ میرا محبوب بندہ بن جائے گا، اور جس بندے سے مجھے محبت ہوجاتی ہے میں اس کا کان بن جاتا ہوں، جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کا پیر بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے، اگر مجھ سے سوال کرتا ہے تو اسے عطا کرتا ہوں اور اگر میری پناہ چاہتا ہے تو اسے اپنی پناہ اور حفاظت میں رکھتا ہوں۔ (بخاری)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فرائض اور واجبات کی ادائیگی سے بارگاہ خداوندی میں تقرب حاصل ہوتا ہے اور نفلوں کی ادائیگی سے اس میں اضافہ اور ترقی ہوتی ہے۔

نفلوں کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دو درجے ہیں:

☆ پہلے درجے کی نفلیں وہ ہیں جن کا نفع صرف کرنے والوں کو ملتا ہے اور کو نہیں۔

☆ دوسرے درجے کی نفلوں سے اس کی ذات کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی فائدہ پہونچتا ہے)۔

نفلی نمازیں، روزے اور نفلی حج، پہلی کی مثالیں ہیں جن کا نفع صرف کرنے والے کو پہونچتا ہے کسی اور کو نہیں، جب کہ صدقہ، خیرات، قرابت داروں کے ساتھ صلہ رحمی، حسن سلوک اور خیر و بھلائی کے وہ تمام کام دوسری قسم سے تعلق رکھتے ہیں، جس سے دوسروں کو فائدہ پہنچتا رہتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ دوسرے درجے کی عبادتیں پہلے درجے سے زیادہ افضل ہیں، اس لیے کہ ان کا نفع ہمہ گیر اور دائم ہوتا ہے اور اگر بندہ بارگاہ خداوندی میں نزدیکی حاصل کرنے کے لیے کوئی نفلی کام کرنا چاہے تو اسے اس دوسری قسم کے کاموں کو منتخب کرنا چاہئے، جن کا نفع دوہرا ہو اور خاص طور پر موقع اور حالات کے لحاظ سے جس کی بڑی ضرورت ہو۔

اس مختصر سی تمہید کے بعد یہ سمجھ لینا چاہئے کہ بار بار نفلی حج یا حج بدل کرنے کی بجائے حاجت منداور غریب رشتہ داروں اور ناتواں اور بے کس انسانوں کی امداد اور اعانت کرنا کہیں زیادہ اجر وثواب اور دل کی تسکین کا باعث ہے۔ حج کے مقابلے میں خیرات کے ان کاموں کو اس لیے افضلیت حاصل ہے کہ اس سے غریبوں محتاجوں اور فاقہ کشوں کی حاجت پوری ہوتی ہے، اور ان کے دلوں کو راحت اور مسرت حاصل ہوتی ہے اور چونکہ سال کے مخصوص دنوں جیسے عید، بقرعید اور رمضان کی ساعتوں میں اجر بڑھا دیا جاتا ہے، اس لیے ان دنوں میں کیا گیا کوئی عمل سال کے باقی ماندہ دنوں میں کئے گئے عمل سے لامحالہ افضل اور بہتر ہوگا، نیز اس لیے کہ تہوار اور خوشی کے ان مواقع پر ہر کسی کی ذاتی ضرورتیں بڑھ جایا کرتی ہیں، اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لیے کھانے کپڑے اور اشیاء کی فراہمی ان کے دلوں کا بوجھ بن جاتی ہے، اور چونکہ خلائق خدا کا کنبہ ہیں اور اس مرد صالح نے پڑے گرے وقتوں میں ان کی مدد کی ہے، اس لیے خدا کے یہاں نزدیکی اور اس کی خوشنودی بھی اسے اسی درجہ حاصل ہوتی ہے۔

قرآن پاک اور احادیث میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خیرات کے ان کاموں کی طرف خدا اور اس کے رسول

نے جگہ جگہ توجہ دلائی ہے اور مختلف انداز سے اسے بیان کیا ہے، تاکہ ہمتیں بلند ہوں اور دلوں میں سخاوت کے جذبات پیدا ہوں، چنانچہ باری تعالی نے ان لوگوں کی تعریف کی ہے جو رضاء الٰہی اور دل کی تسکین کے لیے اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، خرچ کر کے انہیں سچی خوشی اس لیے ملتی ہے کہ انہیں یہ یقین ہوتا ہے کہ اس کا صلہ بلکہ اس سے کہیں زیادہ اس دنیا میں ورنہ آخرت میں انہیں مل کے رہے گا۔

باری تعالی کا ارشاد ہے:

﴿مَن ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضاً حَسَناً فَیُضَاعِفَہُ لَہُ أَضْعَافاً کَثِیْرَۃً﴾ (بقرہ:۲۴۵)

کون شخص ہے ایسا جو اللہ تعالی کو قرض دے، اچھے طور پر قرض دینا کہ اللہ تعالی اس کے ثواب کو بڑھا کر بہت سے حصے کر دے۔

خیرات کا اثر آخرت سے پہلے دنیا ہی میں یہ ہوتا ہے کہ خیرات کرنے والے کو کشادہ روزی، اور بافراغت رزق سدا حاصل ہوتا ہے، مال واولاد میں برکتیں نازل ہوتی ہیں اور عرصہ دراز تک اس کی نسلوں میں یہ اثرات بدستور موجود نظر آتے ہیں۔

﴿وَمَا أَنفَقْتُم مِّن شَیْءٍ فَھُوَ یُخْلِفُہُ وَھُوَ خَیْرُ الرَّازِقِیْنَ﴾ (سبا:۳۹)

اور جو چیز تم موافق حکم الٰہی خرچ کرو گے، اللہ تعالی اس کا عوض دے گا، اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔

جو چاہے اس کا تجربہ کر سکتا ہے، اس لیے کہ کوتاہ دستی میں محرومی ہے، اور حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ خیر خیرات کر کے کوئی نیکی کما لے، یا بدی اور برائی کر کے کوئی الٹا عذاب مول لے، موت کا ایک دن معین ہے جس دن بلاوا آئے گا، سب دھرا کا دھرا رہ جائے گا اور آنکھیں بند ہو جائیں گی تب لوگ یہ کہہ کر رہ جائیں گے کہ آج فلاں گذر گیا، اس لیے کہ ؎

جو یہاں آیا ہے اس کو جانا ہوگا ایک دن — جب فنا ٹھہری تو پھر کیا سو برس کیا ایک دن
باپ ماں بھائی برادر دیکھتے رہ جائیں گے — جائے گا رو تا بلکتا سوئے عقبی ایک دن
یہ محل اور گاؤ تکیے باغ باغیچے تمام — چھوڑ کر سب خاک میں ہوگا بسیرا ایک دن
کیا پیمبر کیا ولی کیا اہل دولت کیا فقیر — سب کو ہے منھا خلقناکم کا صدمہ ایک دن

ہر ملک اور ہر زمانے میں لوگوں کی یہ عادت یکساں رہی ہے کہ فرائض اور واجبات سے کتراتے ہیں، پنجوقتہ نمازوں اور زکوۃ سے منہ موڑتے ہیں، غریبوں، مسکینوں اور بیواؤں کو کچھ دینا ہو تو ان کے یہاں کوئلوں پر مہریں لگ جاتی ہیں، لیکن جس کام سے عزت اور شہرت ملے حکومت اور سوسائٹی کی نگاہ میں جس سے وقعت بڑھے اس کے لیے تجوریوں کے منہ کھل جاتے ہیں، فضول خرچی کی دعوتوں اور بڑی بڑی پارٹیوں میں روپیہ پانی کی طرح بہا دیتے ہیں، اور بدقسمتی سے اسی قماش کے کچھ مرد عورتوں کو یہ چٹ پڑ جاتی ہے کہ فرض حج کر لینے کے بعد سال بہ سال نفلی حج کے لیے نکل پڑتے ہیں، جب کہ ان کے پڑوسی اور

بستی کے لوگ بھوک اور افلاس کے ہاتھوں روتے اور بلکتے ہیں۔

میں -مخلصانہ خیر خواہی اور حد درجہ دردمندی کے ساتھ- اور اس لیے کہ یاد رکھنے والے میری اس بات کو یاد رکھیں، یہ کہہ دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ نفلی حج کے ان تمام شائقین کے لیے افضل اور زیادہ بہتر یہی ہے کہ اگر خدا نے انہیں نوازا ہے تو وہ اپنی دولت سے ان غریبوں، مسکینوں اور بیواؤں کی امداد کریں، صدقہ جاریہ کی قسم کے کام جیسے مسجدوں اور درسگاہوں کی تعمیر، مسافر خانوں، شفا خانوں اور راستوں کی درستگی اور مرمت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں، مفلس اور بے کس عزیزوں کی دستگیری کریں، اور خاص طور پر ذوالحجہ کے دس دنوں میں ان کاموں کو انجام دیں، تاکہ انہیں زیادہ سے زیادہ اجر ملے، کیونکہ ان دنوں اجر میں اضافہ ہوتا ہے۔

ایک اور تماشا بعض لوگ یہ کرتے ہیں کہ قرضوں کی ادائیگی کی فکر نہیں کرتے اور حج کے لیے نکل پڑتے ہیں، وہ یہ بھی نہیں سوچتے کہ ان کا حج درست ہوا بھی یا نہیں، اس لیے کہ بعض علماء کے نزدیک ان کا حج مقبول نہ ہوگا، تاآنکہ وہ قرض ادا نہ کردیں، یا قرض خواہ سے مہلت لے کر اسے راضی نہ کرلیں۔ یہ نادان اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ شب و روز کی ذلت اور رسوائی جس سے ہوتی ہے اور جس کی ادائیگی واجب ہے اسے قرض ادا کرکے پہلے فرصت پالیں۔ اس لیے قرضدار سڑک پر سر اٹھا کر چلنے سے محروم ہوتا ہے اور حج تو ان پر ابھی باقاعدہ فرض بھی نہیں ہوا ہے۔

بعض عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ نفلی حج کے لیے شوہروں کو تنگ کرتی اور انہیں بھاری خرچ میں ڈالتی ہیں۔ اس ضد کے سبب بسا اوقات شوہر قرض میں گرفتار یا بے روزگاری میں مبتلا ہوجاتے ہیں اور یہ محض بیویوں کی ناز برداری کے لیے ہوتا ہے جس سے نیکی برباد اور گناہ لازم ہوجاتا ہے۔ اس لیے عورتوں کو چاہئے کہ اگر انہیں ثواب ہی حاصل کرنا ہے تو شوہروں کی اطاعت کریں، اسے زیر بار کرنے کی بجائے اپنے رب کی بندگی اور عبادت کریں، نماز روزہ اور خیرات کی کثرت رکھیں، خدا نے چاہا تو انہیں زیادہ اجر ملے گا۔

حضور ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ازواج مطہرات سے فرمایا تھا، اس سفر کے بعد گھروں میں بند رہنے کے دن ہوں گے۔ اس ارشاد کا نتیجہ تھا کہ بعض ازواج اس طرح گھر کا ٹاٹ بن گئیں کہ انہوں نے سفر حج یا کسی غرض کے لیے کوئی سفر نہیں کیا، تاآنکہ اپنے رب سے جاملیں، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی مثال ہمارے سامنے ہے۔

بہرکیف صدقہ خصوصا صدقہ جاریہ کا ثواب نفلی حج سے زیادہ ہوتا ہے، اس لیے کہ خیرات کا نفع کسی دکھی انسان کو پہونچے گا، جو فاقوں کا مارا اور پریشان حال تھا، خصوصا حج کے دنوں میں دی گئی امداد کا ثواب عام دنوں سے کہیں زیادہ ہوگا، اس لیے کچھ ضروری نہیں کہ نفلی حج سے ہی ثواب حاصل کیا جائے۔

نفلی حج سے قربانی اس لیے افضل ہوگی کہ باری تعالی نے حج کا صریح حکم کم وبیش سو سے زائد آیتوں میں دیا ہے، اس حد تک تکرار سے ان کی فضیلت صاف معلوم ہوتی ہے۔

ہمارا مشاہدہ ہے کہ فرائض وواجبات میں جو شخص غفلت کرتا ہے، اور اپنا وقت اور سرمایہ استعمال نہیں کرتا، باری تعالی اس پر ایسا شیطان مسلط کرتا ہے جو اس کی تمام تر توانائی اور دولت کو اس سے کہیں زیادہ لغو اور باطل کاموں میں ضائع کرا دیتا ہے۔

اس کے برعکس خیر کے کاموں میں خرچ کا اجر باری تعالی کئی گنا زیادہ عطا فرماتا ہے، تجربہ اور مشاہدہ اس کا شاہد ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿وَمَا أَنفَقْتُم مِّن شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ﴾ (سبا:۳۹)

اور جو چیز تم موافق حکم الٰہی خرچ کرو گے، اللہ تعالی اس کا عوض دے گا، اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔

﴿وَاسْمَعُوا وَأَطِيعُوا وَأَنفِقُوا خَيْراً لِّأَنفُسِكُمْ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (تغابن:۱۶)

اور اس کے احکام کو سنو اور مانو اور بالخصوص اس کے حکم کے موافق خرچ کرو، یہ تمہارے لیے بہتر ہوگا، اور جو شخص نفسانی حرص سے محفوظ رہا ایسے ہی لوگ آخرت میں فلاح پانے والے ہیں۔

کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے دلوں میں شہرت اور ناموری کا سودا سما جاتا ہے۔ یہ لوگ تفریحا حج کرنے جاتے ہیں، اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ گنا سکیں کہ انہوں نے اتنا حج کیا، فلاں عورت نے اب تک اس قدر حج کئے، خدانخواستہ اگر یہی نیت رہی تو عمل کو قبولیت کیونکر نصیب ہوگی، یہی وجہ ہے کہ آج حاجیوں میں دن بدن عاجزی، انکساری اور اچھے اخلاق کا فقدان نظر آتا ہے۔

میں اپنے ان بھائیوں سے جو بار بار حج کرتے رہتے ہیں، اخلاص اور دردمندی کے ساتھ کہنا چاہتا ہوں، خاص طور پر اہالیان مکہ، سعودی باشندگان، اور اپنے خلیجی بھائیوں سے بھی کہنا چاہتا ہوں کہ وہ اپنی بستی اور اپنے گھروں میں خدا کی زیادہ عبادت کریں، روزہ، نماز اور خیرات کا اہتمام کریں، اور جو دولت نفلی حجوں میں خرچ کرتے ہیں اسے غریبوں، مسکینوں، محتاجوں اور خیر کے دوسرے کاموں میں خرچ کریں، خدا نے چاہا تو انہیں حج اور عمرہ سے زیادہ ثواب ملے گا۔

حج کی کثرت ہماری نظر میں تشویشناک اس لیے ہے کہ اس کوتاہ ذہنیت سے ان کا جو بگڑتا، بگڑتا ہے، سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ ان کی وجہ سے باقی ماندہ حاجیوں کو سخت اذیت اور کبھی جان کا خطرہ لاحق ہوتا ہے، اس لیے کہ قرب وجوار کے باشندے عموما اپنی کاروں پر سفر کرتے ہیں، ادھر جگہ پہلے ہی تنگ ہوتی ہے، دوسرے ان کے غیر ضروری اسباب کی وجہ سے ہر جگہ ٹھٹ کے ٹھٹ لگ جاتے ہیں، اور طواف، سعی اور مسجد حرام میں نماز کے لیے بسا اوقات اتنی جگہ بھی نہیں ملتی کہ آدمی اپنی پیشانی زمین پر ٹیک سکے۔

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دور فاروقی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اہالیان مکہ کو مطاف خالی کرنے کا حکم دیا کرتے تھے تاکہ بیرونی حجاج کو آسانی ہو، مقامی حاجیوں کو اپنے بھائیوں کے لیے اس قدر ایثار کرنا چاہئے، حق تعالی کی نکتہ

نوازی سے کیا بعید ہے کہ انہیں اس کا اجر ملے۔

سن رسیدہ اور کمزور مرد عورتوں کو ہمارا یہ ہمدردانہ مشورہ ہے کہ فرض حج ادا کرنے کے بعد وہ اپنی بستیوں میں جم جائیں اور یاد الٰہی میں لگ جائیں، اس لیے کہ خیر کی راہیں بے شمار ہیں، حج ان میں سے ایک ضرور ہے لیکن صرف یہی افضل ترین کام نہیں، کرنے کے کام اور بہت سارے پڑے ہیں، انہیں انجام دیں اور اپنی زندگی اور صحت کو غنیمت جانیں اور سخت گرمی یا سخت سردی میں سفر سے خاص طور پر پرہیز کریں، اس لیے کہ ٹھنڈ خصوصا ابتدائی ٹھنڈ جلد لگ جاتی ہے اور بڑی نقصان دیتی ہے، لیکن زائل بہت دیر میں ہوتی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

''شروع سردی سے بچو، خواہ اخیر میں اس سے کوئی احتیاط نہ کرو، اس لیے کہ سردی کا اثر جیسے نباتات پر ہوتا ہے، انسانی جسم پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے، سردی کے آغاز میں درختوں کے پتے جھڑ جاتے ہیں، لیکن اخیر کے دنوں میں سبزہ آغاز ہوتا ہے اور پتے نکل آتے ہیں۔

حکماء کا قول ہے کہ پرہیز علاج سے بہتر ہے، خدا نے بندۂ مومن کو یہ سعادت بخشی ہے کہ نیتوں پر اس کا اجر مرتب ہوتا ہے، اس کا احسان ہے کہ اس نے حج کو زندگی میں ایک بار فرض فرمایا بار بار نہیں۔ اس لیے اس کی عفو کو غنیمت جان کر اس کا شکریہ ادا کرنا چاہئے اور اسراف اور دین کے اندر غلو کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے۔ ☆☆☆

(بقیہ درس قرآن)

آپ کہہ دیجئے اے اہل کتاب! آؤ ہم ایک کلمہ پر متحد ہو جائیں جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ اللہ کے علاوہ نہ کسی کی عبادت کریں اور نہ ہی کسی کو اس کا شریک بنائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو بھی اللہ کے علاوہ رب نہ بنائے۔

یعنی ایک اللہ کی بندگی پر اتفاق ہو اور اسی کے احکامات کو مانا جائے، اس کے علاوہ کوئی بھی شخصیت ہو اس کی بات کو دلیل نہ بنایا جائے۔ یعنی ائمہ کرام وفقہاء عظام وصوفیاء حضرات، کسی کی بات کو اللہ کی بات کے آگے اہمیت دینا اور ان کے فتوی کے مقابلہ میں حدیث کی تاویل کرنا، ان کو رب بنانا ہے جس سے روکا گیا ہے۔ کچھ لوگ جو ائمہ سے اپنے کو جوڑتے ہیں اور صرف کسی ایک امام کی تقلید کو اپنے اوپر لازم قرار دیتے ہیں اس بات سے ان کو تکلیف ہوتی ہے کہ علماء کو رب سے مثال کیوں دی جاتی ہے، حالانکہ اللہ تعالی نے خود بیان فرمایا کہ: ﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللّهِ﴾ (سورہ توبہ:۳۱) کہ اہل کتاب نے اپنے بڑے بڑے علماء اور احبار کو اللہ کے علاوہ رب بنا لیا تھا۔ حضرت حذیفہ بن الیمان اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ ان کا رب بنانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ ان کی اتباع کرتے جس کو حلال کہتے حلال اور جس کو حرام کہتے اس کو حرام مان لیتے۔ (تفسیر ابن کثیر:۱۳۵/۴) (جاری)

☆☆☆

امن عالم اور اسلام

عبدالسمیع محمد ہارون انصاری سلفی
بھوارہ، مدھوبنی، بہار

امن وامان بنی نوع انسان کا ہر دور میں ایک اہم مطلوب اور منتہائے مقصود رہا ہے اس لیے کہ اس کی بنیاد پر ہی سماجی ترقی اور ہمہ جہت ارتقاء وخوشحالی کی راہیں استوار ہوتی ہیں۔ آدمی بے خوف ہوکر چین وسکون کی زندگی گذارتا ہے، پھر وہ قلبی، ذہنی اور فکری طور پر راحت محسوس کرتا ہے، امن وامان کی ایسی فضا میں گویا انسان جنت ارضی کا احساس کرتا ہے کہ خود جنت کو بھی دارالسلام یعنی امن وشانتی کا گھر بتایا گیا ہے۔ اس طرح جس سماج اور معاشرہ کو امن وامان حاصل ہے لاریب کہ اس پر اللہ رب العزت کا خاص کرم ہے اور جو اس سے محروم ہے وہ بلاشبہ بڑا بدنصیب ہے، موجودہ عالمی معاشرہ اس معاملے میں بلاشبہ بڑا بدنصیب ہے، ہر چند کہ اس کی وجہ وہ خود ہے، حالانکہ ہمارا یہ دور اپنی تہذیب پر بے حد نازاں ہے، اور بزعم خویش اس دور کو اس کا دیوانہ پوری انسانی تاریخ کا سب سے ترقی یافتہ دور کہتا ہے۔ چشم ظاہر میں گرچہ کچھ نظر بھی آتا ہے کہ آج کے انسان نے سائنس اور ٹیکنالوجی کے دور میں جس تیزی سے ترقی کی ہے اس کی تفصیلات دیکھ سن کر عقل حیرت واستعجاب کے خلیج میں ڈوب جاتی ہے، مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ واقعہ اور سچائی وہ نہیں ہے جو سرسری نگاہ میں نظر آتی ہے۔ آج کے انسان نے اگر کچھ پایا ہے تو وہ مختلف محاذوں پر اس کی بہت بھاری قیمت ادا کر رہا ہے، جس کی تفصیل یہاں ممکن نہیں ہے، البتہ ان میں ایک اہم ترین شئی ضرور قابل ذکر ہے اور وہ ہے عالم میں وسیع پیمانے پر فساد وبگاڑ اور امن وامان کا عنقا ہونا۔ تقریبا سارا خطۂ عالم بدامنی کی آگ میں جھلس رہا ہے، کم وبیش ہر فرد ومعاشرہ اور ملک اپنے وجود، اپنی جان، اپنے مال، اپنی عزت وآبرو وغیرہ کے تعلق سے مضطرب اور بے چین ہے کہ کب کون قزاق آئے گا اور اسے برباد کر کے رکھ دے گا۔ بے چینی، بدامنی، لٹنے، پٹنے اور کھونے برباد ہونے کا یہ خوف اگر عام فرد اور معاشرہ وملک کو ہے تو اس سے زیادہ خواص کو ہے۔ حالانکہ ان کے پاس تحفظ وسلامتی کے ایک سے بڑھ کر ایک جدید ذرائع ہیں۔ بہ ایں ہمہ صورت حال اس قدر دگرگوں ہے کہ مختلف محاذوں پر امن وامان کا بے حد بحران ہے۔

عالمی امن وامان کی اس قدر بگڑتی صورت حال کا مطلب یہ نہیں ہے کہ زعماء وقائدین اور ذمہ داران اس سے بے خبر ہیں، یا پھر عالمی امن وامان کے قیام کے لیے کوشاں نہیں ہیں، عوام وخواص ہر کوئی جہاں اپنی سطح سے سعی کناں ہیں، وہیں اجتماعی طور پر بھی اس کی کوششیں ہوتی رہی ہیں، جیسے کہ فی زمانہ امن عالم کی راہ کا ایک سب سے بڑا مزاحم موجودہ دہشت گردی ہے جس کے استیصال کے لیے خود ساختہ عالمی پولیس مین امریکہ اور اس کے ہمنوا عالمی ممالک کے تعاون سے سرگرم عمل ہیں تاکہ دنیا میں امن وامان بحال ہو سکے، مگر اس معاملے کے پس منظر اور پیش منظر پر بنظر امعان غور کرنے والے امر واقعہ سے واقف ہیں کہ عالمی امن وامان کی بحالی کے لیے سرگرم یہ لوگ کس قدر امن کے دشمن ہیں، مگر بہر حال دنیا والوں کی نگاہ اور ان کے بزعم خویش دنیا میں بحالئ امن وامان کے لیے وہ مصروف جد وجہد ہیں، مگر نتیجہ سبھی تسلیم کرتے ہیں، صفر کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آیا ہے۔ بلکہ برطانوی حکومت کی حالیہ سرکاری

رپورٹ نشریہ (بی بی سی اردو سروس مورخہ ۲؍جولائی ۲۰۰۶ء) کے مطابق امریکی قیادت میں دہشت گردی کے خاتمہ اور عالمی امن وامان کی بحالی کی جو بھی کوششیں ہوئی یا ہو رہی ہیں ان سے حالات مزید بد سے بدتر ہوئے ہیں، دہشت گردی میں روز افزوں اضافہ ہوا ہے، اور عالمی امن وامان مزید خطرے سے دوچار ہوا ہے۔ بہر حال موجودہ عالمی امن وامان کو بلاشبہ آج سب سے زیادہ دہشت گردی سے ہی خطرہ لاحق ہے اور بے پناہ لاحق ہے، جس سے دنیا کا اب کوئی خطہ محفوظ نہیں رہ گیا ہے، اور دہشت گردی کے خاتمے نیز بحالیٔ امن عالم کی تمام تر کوششوں کے باوجود اس میں روز افزوں اضافہ ہی ہو رہا ہے، یہ بالکل سچ ہے، صحیح اور حقیقت ہے۔

آج دنیا میں امن کی کتنی پیاس ہے اس کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ موجودہ دنیا کے کم وبیش تمام ممالک خواہ وہ ترقی یافتہ ہوں، ترقی پذیر ہوں یا پھر غریب وپسماندہ۔ ان کی آمدنی کا تقریبا ساٹھ سے ستر فیصد حصہ جنگی اسلحے اور آلات کی خریداری پر صرف ہو رہا ہے، قیام امن اور تحفظ کے نام پر ہر سال دنیا میں اربوں کھربوں ڈالر کے ہتھیار خریدے جاتے ہیں، اور تیس سے چالیس فیصد آمدنی کا حصہ دیگر تمام شعبے جیسے تعلیم، صحت، زراعت اور عوامی فلاح وغیرہ کے اوپر خرچ کئے جاتے ہیں، حالانکہ سماج کی ہمہ جہت فلاح وترقی کے لیے یہ شعبے کس قدر اہم ترین اور اپنے مطالبات کے باعث کس قدر خاص توجہ کے مستحق ہیں وہ کسی صاحب علم وفہم سے مخفی نہیں ہے، بہ ایں ہمہ امن وامان کی بحالی اور اپنے وجود کا تحفظ اس قدر ضروری ہو گیا ہے کہ آج عالمی ممالک کی فیصدی دولت اسی راہ میں خرچ ہو رہی ہے، یہ مبالغہ یا لفظی حنابندی نہیں ہے بلکہ مختلف ممالک کے سالانہ آمد وخرچ کا بجٹ اور اس کے تجزیے کے حوالے سے کہی گئی بات ہے جو ہر سال میڈیا اور اخبارات ورسائل میں آتے رہتے ہیں، اور ایسا کرنا بھی ایک حد تک عالمی ممالک کے لیے ناگزیر معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اسرائیل کا فلسطین پر، روس کا افغانستان پر، عراق کا کویت پر اور امریکہ کا حالیہ حملہ وتسلط عراق وافغانستان پر وغیرہ ایسے کتنے ہی واقعات ہیں جو دنیا کے سامنے ہیں اور نائن الیون، سیون سیون اور اس قبیل کے دیگر واقعات بتلاتے ہیں کہ بے حد ترقی یافتہ ممالک امریکہ وبرطانیہ وغیرہ سے لے کر دنیا کا کوئی ملک داخلی اور خارجی طور پر خود کو بالکل مامون نہیں سمجھ رہا ہے۔

امن وامان کی فضا قائم کرنے کے لیے انفرادی سطح سے لے کر اجتماعی سطح تک عالمی ممالک کوشاں ہیں اور رہے ہیں، کئی بین الاقوامی اداروں کے قیام کا مقصد اساسی یہی ہے۔ پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۹-۱۹۱۴ء) کی تباہ کاریوں سے گھبرا کر لوگوں نے وسیع پیمانے پر امن قائم رکھنے کی تحریک شروع کی۔ امریکہ صدر ولسن کی تحریک پر بین الاقوامی لیگ کا قیام عمل میں آیا، مگر یہ لیگ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکا۔ لیگ کے اغراض میں بنیادی غرض قیام امن کی کوشش ناکام ہوگئی۔ نتیجۃً دنیا کو دوسری جنگ عظیم (۱۹۴۱ - ۱۹۳۸ء) کا سامنا کرنا پڑا۔ دوسری جنگ عظیم مجموعی تباہیوں اور بربادیوں کے اعتبار سے پہلی جنگ عظیم سے بھی کہیں زیادہ بھیانک تھی۔ دنیا کے تقریبا تمام ممالک جنگ کی بھیانک آگ میں بالواسطہ یا بلاواسطہ کود پڑے۔ اس عظیم تباہی پر لوگ تھرا گئے اور ہر طرف سے امن وامان کے قیام کی صدائے فغاں کی گونج سنائی دینے لگی۔ ہر کوئی جنگ سے ہار چکا تھا اور اب اطمینان وسکون کی سانس لینا چاہتا تھا، چنانچہ دوسری جنگ عظیم کے خاتمہ پر شدت سے عالمی سطح پر پائیدار امن کی ضرورت محسوس کی جانے لگی۔ مختلف ممالک کے سربراہوں نے لیگ سے زیادہ پراثر اور مضبوط ادارے کے قیام کی تجویزوں پر غور کرنا شروع کیا۔ اکتوبر ۱۹۴۳ء میں

چین، روس، امریکہ اور برطانیہ وغیرہ کے سربراہان ماسکو میں جمع ہوئے اور ایک بین الاقوامی ادارے کے قیام پر سبھی متفق ہوگئے جو عالمی سطح پر قیام امن کے لیے سرگرم عمل رہے۔ چنانچہ اپریل ۱۹۴۵ء میں اقوام متحدہ کی داغ بیل پڑی، جس کا سب سے بنیادی مقصد بین الاقوامی سطح پر امن وامان کی فضا قائم رکھنا اور اس راہ میں حائل ہونے والی تمام رکاوٹوں کو دور کرنا تھا۔ ہر چند کہ اس کے ذیلی کئی شعبے اور مقاصد ہیں مگر بنیادی طور پر شانتی اور امن بحال کرنا اس کا مقصد تب سے آج تک ہے۔ انصاف اور پوری غیر جانبداری کے ساتھ دنیا میں امن وامان قائم رکھنے، اس راہ میں مزاحم دہشت گردی وغیرہ کو روکنے، اس کے صحیح سچے اور حقیقی اسباب کا پتہ لگا کر ان کا سد باب کرنے میں کہاں تک اس کی پرخلوص سعی ہے، کہاں تک وہ غیر جانبدار ہے اور کہاں تک وہ اپنے مقصد قیام میں کامیاب ہے، یہ خود ایک مستقل موضوع اور طویل بحث ہے، جس کی یہاں چنداں حاجت نہیں اور نہ امکان ہے۔ البتہ موجودہ حالات میں بین الاقوامی دہشت گردی اور بدامنی کی بدترین صورت حال اس کا منہ ضرور چڑھا رہی ہے۔

دنیا میں امن وامان کی فضا قائم کرنے کے مقصد سے صرف یہی ایک ادارہ نہیں، کئی ایک ہے، ایسے کئی ادارے اور اس کے علاوہ مختلف علاقائی، قومی، بین الاقوامی، سیاسی، مذہبی اور سماجی تنظیمیں ہیں جن کا ایک اہم مقصد قیام امن ہے۔ سارک تنظیم، ناوابستہ ممالک کی تنظیم، او آئی سی، ناٹو، او پیک اور یورپین وافریقی ممالک کی مختلف تنظیمیں مزید برآں مختلف کھیل کود کے عالمی مقابلے وغیرہ یہ سبھی شانتی اور امن کا پیغام دیتے اور اس کے کوشاں نظر آتے ہیں اور دامے، درمے، قدمے، سخنے سرگرم بھی ہیں اور قدرے کامیاب بھی.....

بنیادی طور پر یہ تو اس امن وامان کے قیام کی بات ہے جو علاقائی، قومی یا بین الاقوامی سطح پر سیاسی، سماجی، معاشی اور تاریخی اختلافات وغیرہ کے سبب پر کبھی نہ کبھی متزلزل ہوتا رہتا ہے یا جس کا امکان واندیشہ بنا رہتا ہے، یا پھر موجودہ عالمی دہشت گردی جس نے امن عالم کو تہ وبالا کر دیا ہے، اس کے خاتمہ واستیصال اور قیام امن کی خاطر کوششیں جاری ہیں۔ پھر اس سماجی وسیاسی ظلم واختلاف وغیرہ کے بطن سے جنم لینے والی بدامنی سے بڑھ کر ایک اور وجہ ''اشانتی'' ہے جس نے انسانی معاشرہ کے کم وبیش ہر پہلو کو بدامنی کا شکار بنا دیا ہے اور وہ ''اشانتی'' وبدامنی بلاشبہ اول الذکر سے زیادہ قابل توجہ اور اہم ہے جو سماجی، اخلاقی، مذہبی، انسانی اور روحانی اقدار کے زوال کے سبب ہے، جس کے زیر اثر قتل وخونریزی، تشدد، لوٹ مار، زناکاری، عصمت دری، چوری، ڈکیتی، رشوت خوری، بدعنوانی، سلب ونہب اور غصب، بے ایمانی، اور مختلف شیطنت وبدمعاشی نہ جانے کتنی خرابیاں ہیں جن کے باعث سماج میں اتھاہ بدامنی پھیلی ہوئی ہے، اس سے نہ عوام مصئون ہے اور نہ خواص محفوظ۔ گھر سے باہر تک، حفاظت کے حصار سے لے کر کھلے در ودیوار تک ہر کوئی اپنی جان، اپنے مال اور عزت وآبرو کے تئیں شب وروز خدشات واندیشے میں نہ صرف مبتلا ہے بلکہ کتنے ہی شب وروز اس کے شکار ہوتے ہیں اور پیہم یہ سلسلہ جاری ہے۔ امریکہ وبرطانیہ اور جرمنی وفرانس وغیرہ جیسے ترقی یافتہ ممالک سے لے کر ہندوستان وپاکستان وغیرہ جیسے ترقی پذیر ممالک نیز دیگر غریب وپسماندہ ممالک کے سالانہ جرائم کی وہ رپورٹیں جو سرکاری طور پر اخبارات میں شائع ہوتی رہتی ہیں ان سے بخوبی اس بدترین صورتحال کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ واضح رہے کہ یہ رپورٹ ان بے شمار واقعات میں سے چند واقعات پر مبنی ہوتی ہے جو اتفاق سے میڈیا میں آجاتی ہے ورنہ جرائم ان سے کہیں زیادہ ہیں جو عیاں نہیں

ہو پاتے۔ بہرحال ان رپورٹوں کے چند اعداد وشمار میرے سامنے ہیں مگر طوالت کے خوف سے حیطۂ تحریر میں لانے سے گریزاں ہوں۔ان رپورٹوں کی صورت حال بتلا رہی ہے کہ دنیا میں قتل وخون، چوری ڈکیتی اور آبروریزی وغیرہ کے واقعات بڑی تیزی سے نہ صرف بڑھ رہے ہیں بلکہ مجموعی طور پر اوسطا دنیا میں ایک گھنٹے میں ان جرائم کے سیکڑوں واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں، یوں ایک دن میں ہزاروں اور شب وروز وہفتہ میں بے شمار واقعات ہورہے ہیں، جو کم وبیش عالمی سماج کے ہر کہ ومہ کے علم میں ہے۔ظاہر ہے یہ بدتر صورتحال، جو کم وبیش پوری دنیا میں ہے، اس سے آدمی کا جینا محال اور دشوار تر ہوگیا ہے، بحیثیت مجموعی عالمی سماج میں شاید ہی کوئی خطہ ہو جہاں لوگوں کو اپنی جان، مال، عزت وآبرو کے تئیں خدشات اور بے چینی نہ ہو۔اس طرح گذشتہ سطور سے یہ بات مجموعی طور پر معلوم ہوئی کہ امن وامان عالمی سماج کا ایک اہم ترین مسئلہ ہونے کے علاوہ امن وامان کے وجود وقیام کی راہ میں کوئی ایک شئ نہیں کئی اشیاء وعوامل مزاحم ہے جس کے سبب بر وبحر میں فساد وبدامنی وسیع پیمانے پر موجود ہے، ان میں ایک طرف دہشت گردی ہے تو دوسری طرف اسلحہ اندوزی کی وہ اندھی مسابقہ آرائی ہے کہ جس نے پوری دنیا کو تقریبا بارود کے ڈھیر پر کھڑا کردیا ہے، ایک طرف بڑھتی بے روزگاری نے سلب ونہب، چوری ڈکیتی وغیرہ کے ذریعہ بدامنی کو ہوا دی ہے تو دوسری طرف اخلاقی بحران، روحانی فساد، اتباع ہوی ونفس، زر پرستی اور حصول دنیا کی بے محابا مقابلہ آرائی وغیرہ نے عالمی معاشرہ میں اشانتی وبے چینی اور بدامنی کو فروغ دیا ہے۔ایسے میں عالمی سماج کے ذمہ داروں کے لیے لازم تھا کہ بدامنی کی اس موذی وبا اور مہلک مرض کے خاتمہ کے لیے اس کے حقیقی اسباب اور پوری غیر جانبداری وانصاف کے ساتھ اس کے عوامل کا پتہ لگا کر بنیاد سے اس کے خاتمے کی سعی کرتے، یا پھر ایسے اصول وضوابط اور ضرورت کے مطابق سخت سے سخت قوانین کا نفاذ کیا جاتا جس سے بدامنی دور کی جاتی اور سماج میں امن وامان اور شانتی قائم ہوتی، اور لازما ہوتی، مگر جو کچھ ہورہا ہے وہ ''ہاتھ کنگن کو آرسی کیا'' کے مطابق سب کے سامنے ہے۔آیئے اب اسلامی نقطۂ نظر سے اس مسئلے پر غور کریں کہ اسلام سماج میں امن وسلامتی کو کیا اہمیت دیتا ہے اور کس طرح اس رہ کی تمام مزاحمتوں کو دور کرنے کی تعلیم دیتا ہے کہ فی الواقع آج دنیا اگر ان اصولوں پر عمل کرے تو لازما دنیا میں امن قائم ہوسکے گا۔

اسلام امن ہے، شانتی کا پیامبر ہے، امن وسلامتی کا پیکر ہے۔مولانا وحیدالدین خاں صاحب اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں: ''اسلام کی تمام تعلیمات امن کے اصول پر مبنی ہے، خواہ براہ راست طور پر ہو یا بالواسطہ طور پر، خود لفظ اسلام میں امن کا مفہوم شامل ہے، اسلام کا روٹ ورڈ ''سلم'' ہے، سلم کے معنی امن کے ہوتے ہیں، اس لیے اسلام کا مطلب ہے امن کا مذہب۔حدیث میں ہے: "من سلم الناس من لسانه ويده" مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ امن میں رہیں۔قرآن میں اللہ کے جو نام (صفت) بتائے گئے ہیں ان میں ایک "السلام" (الحشر:۲۳) ہے، یعنی امن وسلامتی۔گویا اللہ کی ذات خود صفت امن کا مظہر ہے۔حدیث میں آیا ہے: "ان الله هو السلام" (بخاری) یعنی اللہ خود سلامتی ہے۔اسی طرح اللہ کی ہدایت کو قرآن میں "سبل السلام" (المائدہ:۱۶) کہا گیا ہے، یعنی امن کے راستے۔اسلام کے مطابق جنت انسان کے قیام کی معیاری جگہ ہے اور قرآن میں جنت کو "دار السلام" (یونس:۲۵) کہا گیا ہے، یعنی امن کا گھر۔قرآن میں ہے کہ اہل جنت ایک دوسرے کے لیے سلامتی (الواقعۃ:۲۶) ہوگا۔دوسرے لفظوں میں یہ کہ اہل جنت کا اجتماعی کلچر پیس کلچر ہوگا۔قرآن میں ہے: "والصلح

خیر" (النساء: ۲۲۸) یعنی صلح کی روش اپنے نتیجہ کے اعتبار سے زیادہ بہتر ہے۔ فطرت کے قانون کے مطابق اللہ نے مصالحانہ (اور پرامن) طریق عمل پر وہ کامیابی مقدر کی ہے جو اس نے غیر مصالحانہ یا متشددانہ طریق عمل پر مقدر نہیں کی ہے"۔ (اسلام اور امن، مولانا وحید الدین خاں صاحب کے ایک مضمون سے مستفاد)

معلوم ہوا کہ اسلام اپنی فطرت وتعلیمات اور مقصد وجود کے اعتبار سے سرتا پا امن وشانتی کا دُوت ہے اور اس کا قیام ہی اس کی اصل غایت اور دنیا سے بدامنی اور اس کے اسباب کا خاتمہ اس کا بنیادی مطلوب ہے، چنانچہ آج کی دہشت گردی کے تناظر میں اگر دیکھیں تو اسلام کی تعلیمات واضح اور روشن ہیں۔ چنانچہ قرآن ہی کو صرف لیں تو اس میں اللہ نے ہر طرح کی دہشت گردی اور فساد وبگاڑ کی نہ صرف مذمت کی ہے بلکہ اس کی سخت سے سخت وعید اور سزا متعین کی ہے۔ چنانچہ قرآن میں "فساد فی الأرض"، "فساد" اور "مفسدین" کا تذکرہ کئی جگہ ہے۔ جدید علماء مفسرین نے آج کے مروج ومعلوم لفظ دہشت گردی کو اس کا ہم معنی قرار دیا ہے، گرچہ قرآن کے لفظ "فساد" میں موجودہ دہشت گردی کی اصطلاح کے مقابلے زیادہ وسعت اور جامعیت ہے، چنانچہ اللہ تعالی نے ہر طرح کی دہشت گردی کی مذمت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "جو لوگ اللہ تعالی کے مضبوط عہد کو توڑ دیتے ہیں اور اللہ تعالی نے جن چیزوں کو جوڑنے کا حکم دیا ہے انہیں کاٹتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں" (البقرہ: ۲۷) آج کے معروف ومروج دہشت گردی کے تناظر ہی میں اس آیت کو دیکھیں کہ اسلام نے اس کی کتنی سخت سزا سنائی ہے، اللہ نے فرمایا: "انسانوں میں کوئی تو ایسا ہے کہ جس کی باتیں دنیا کی زندگی میں تمہیں بہت بھلی معلوم ہوتی ہیں اور اپنی نیک نیتی پر وہ بار بار خدا کو گواہ ٹھہراتا ہے، مگر وہ بدترین دشمن حق ہوتا ہے، جب اسے اقتدار حاصل ہو جاتا ہے تو زمین میں اس کی ساری دوڑ دھوپ اس لیے ہوتی ہے کہ فساد پھیلائے، کھیتوں کو غارت کرے اور نسل انسانی کو تباہ کرے، حالانکہ اللہ (جسے وہ گواہ بنا رہا تھا) فساد کو ہرگز پسند نہیں کرتا اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈر، تو اپنے وقار کا خیال اسے گناہ پر جما دیتا ہے، ایسے شخص کے لیے تو بس جہنم ہی کافی ہے" (البقرہ: ۲۰۴-۲۰۶)، دوسری جگہ فرمایا: "جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں اس لیے تگ ودو کرتے ہیں کہ فساد برپا کریں، ان کی سزا یہ ہے کہ قتل کئے جائیں یا سولی پر چڑھائے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالے جائیں یا وہ جلاوطن کر دیئے جائیں، یہ ذلت ورسوائی تو ان کے لیے دنیا میں ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑی سزا ہے، مگر جو لوگ توبہ کر لیں قبل اس کے کہ تم ان پر قابو پاؤ، تمہیں معلوم ہو کہ اللہ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے" (المائدہ: ۳۳-۳۴) جیسے فرعون اور ان جیسے بدترین چند مفسدوں اور دہشت گردوں کے دنیا میں بدترین انجام کا ذکر کرتے ہوئے قرآن نے کہا کہ اللہ نے دنیا میں ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔ (الفجر: ۶-۱۴) اور "ولعذاب الآخرة أكبر" یعنی آخرت کا انجام تو اس سے کہیں بدتر ہے۔

قرآن ہر طرح کی دہشت گردی اور فساد کی مذمت کرتا اور اس کی سخت وعید سناتا ہے، چنانچہ اس کی نظر میں ہر طرح کا ظلم اور زیادتی دہشت گردی ہے (الاعراف: ۱۰۳) حق کی مخالفت، باطل کی حمایت، اہل کفر وشرک اور معصیت سے تعاون ومحبت اور دین واخلاق سے عداوت بھی دہشت گردی ہے۔ (النحل: ۸۸، الانفال: ۷۳) خدا کی بندگی سے فرار اور اس کے قوانین سے نکل

جانا۔(القصص:۸۳)،حکومت پا کر خدا کے مقابلے میں خود مختاری کرنا اور رعایا میں مذہبی،نسلی اور صنفی تفریق پیدا کرنا (القصص:۴) ،حق کو ظاہر ہونے کے بعد بھی نہ ماننا (النمل:۱۴)، ملک گیری اور مفتوح قوم میں ذلیل اخلاق پیدا کرنا (النمل:۳۴)، ناپ تول میں کمی (الشعراء:۱۸۲،۱۸۳)، ذخیرہ اندوزی،ضرر رسانی اور لوگوں میں خوف پیدا کرنا (القصص:۷۷) اور فواحش کا ارتکاب (یا اس کی نشر واشاعت) کرنا یہ سبھی ظلم،فساد،آتنکواد،ارہاب،اور دہشت گردی ہے۔الغراض یہ محض چند آیات کا حوالہ ہیں،جنہیں ہم طوالت کے خوف سے تحریر کرنے سے گریز کرتے ہیں۔

قرآن کی طرح صاحب قرآن کا وہ خیر القرون دنیا کی نگاہوں کے سامنے ہے،اسی طرح قرآن کے سچے حاملین وعاملین نے ان کے بعد مدتوں قرآنی تعلیمات کی عملی شہادت پیش کی کہ کس طرح ایک ایسا جاہلی معاشرہ جہاں ہر طرح بدامنی اور اشانتی تھی، چوری،ڈکیتی،رہزنی،بدکاری،عصمت دری اور قتل وخون وغیرہ امن دشمن برائیاں عام یقین مدتوں اس پر گذر کر یہ برائیاں جاہلی معاشرہ کی گھٹی میں پڑ گئی تھیں،لیکن صاحب قرآن نبی آخر الزماں ﷺ کی تعلیمات نے دیکھتے دیکھتے بدامنی واشانتی کی فضا کو دور کر کے امن وامان کو بحال کر دیا۔پھر اس معاشرہ کے اثرات اور اسلامی تعلیمات پر جب تک اس کے حاملین وعاملین عمل پیرا رہے دنیا میں امن وامان رہا اور اسی سائے میں رہ کر لوگوں نے ہمہ جہت ارتقاء وخوشحالی کی منزلیں طے کیں،حتی کہ فی زمانہ مملکت سعودی عرب اس کی ایک مثال ہے کہ کس طرح اسلامی قوانین کے نفاذ کے سبب دنیا کے تمام خطوں سے زیادہ وہاں امن وشانتی ہے۔

پھر بحیثیت مجموعی اسلامی تعلیمات پر سرسری نگاہ ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ بالواسطہ یا بلا واسطہ ان سے مقصود امن کا قیام ہے، چنانچہ ارکان خمسہ توحید،نماز،روزہ اور حج وزکوۃ ہو یا اخلاق حسنہ اور اوامر میں عدل وانصاف،محبت وتعاون،ایثار وقربانی،انسانیت نوازی وغریب پروری،اتحاد واتفاق،اخوت وآدمیت اور اللہ کا ایک بندہ ہونے کے ناطے دوسرے تمام بندگان الہی مثلا والدین، قرابت دار،ہمسایہ،مسافر،غرباء ومساکین،مقروض ومفلس،حتی کہ غیر مسلموں بلکہ سخت سے سخت دشمنوں کے ساتھ حسن اخلاق اور ان کے حقوق کی ادائیگی۔ان تمام پر نگاہ ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ بلاشبہ ان تعلیمات کے نفاذ سے وسیع تر امن وشانتی کا قیام کیونکر ممکن نہیں ہے،اسی پر بس نہیں ہے بلکہ اسلام نے امن وشانتی کے قیام میں معاون ان اسباب واصول کی اگر اس قدر تاکید کی ہے تو اسی طرح اس امن وسلامتی کی راہ میں آنے والی چھوٹی بڑی تمام مزاحمتوں اور جرائم کا سد باب کر کے انسانی معاشرہ میں مکمل امن وسلامتی اور عافیت کی طرف رہنمائی کر دی ہے۔اسلام اگر ان تصورات کو پیش کرتا ہے تو اس کی روشن تاریخ اس کی بین شہادت ہے۔بین السطور کے طور پر اسلام کے حدود وسزا کا ذکر بھی غیر ناگزیر نہ ہوگا کہ فی الواقع غیر جانبداری کی نگاہ سے غور کریں تو معلوم ہوگا کہ فی الحقیقت اسلام نے قتل وخون،چوری،ڈکیتی،شراب نوشی،بدکاری اور دوسروں کی جان ومال پر ڈاکہ زنی کرنے والوں کی جو سزا مقرر کی ہے،اس کے بیان سے ہی مجرموں کے کلیجے سوکھ جاتے ہیں،اور اگر اس پر عمل ہونے لگے تو لازما ان کے زیر سماج میں امن دشمن ان برائیوں کا قلع قمع ہو جائے گا اور وسیع وعریض تر محاذ پر امن وشانتی کا قیام عین ممکن ہو سکے گا۔مملکت سعودی عرب میں امن وشانتی کی بنیادی وجہ انہی اسلامی حدود وسزا کا نفاذ ہے۔عام اہل علم اسے جانتے ہیں۔

بہر حال اسلام امن وشانتی اور سرتاپا سلامتی ہے،آج کی دنیا میں جس جس راہ سے بدامنی واشانتی در آئی ہے اور جس وسیع

ترسطح پر یہ بدامنی عام ہے نیز دنیا جس امن وسلامتی کی متلاشی ہے وہ صرف اور صرف اسے اسلام کے سائے میں حاصل ہوگا۔ یہ اسلامی تعلیمات وتصورات اور ان کے بہترین قرون میں عملی نفاذ سے ثابت ہے، اور مزید برآں اس حقیقت کو اپنے تو اپنے غیر بھی حتی کہ اس کے دشمن بھی شہادت دیتے اور اسے تسلیم کرتے ہیں۔ چند شواہد ملاحظہ فرمائیں:

مشہور ادیب ومفکر اور مورخ جارج برناڈ شا کہتے ہیں: ''میں نے حضرت محمد ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کیا ہے وہ بڑے بلند پایہ کے انسان تھے، میری رائے میں انہیں انسانیت کا نجات دہندہ کہنا چاہئے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر ان جیسا انسان موجودہ دنیا کا ڈکٹیٹر بن جائے تو اس کے پیچیدہ مسائل اس طرح حل کر دیتا کہ یہ انسان دنیا مطلوبہ امن وراحت کی دولت سے مالا مال ہوجاتی''۔ (نوائے اسلام، دہلی، اکتوبر ۸۹ء بحوالہ: الجمعیۃ ہفت روزہ، دہلی)

جرمنی کے سابق سفیر مراد ہوف مین نے اپنی کتاب ''اسلام ہی متبادل'' میں مغربی سماج کی خرابیوں سے پردہ اٹھاتے ہوئے یورپین ممالک کو اسلام کے مطالعے کی دعوت دی، انہوں نے ناٹو کے وزرائے دفاع کے ایک بڑے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ مغربی ممالک کی نوجوان نسل جن فکری، سماجی اور نفسیاتی امراض (اور عام بدامنی) سے دوچار ہے اس کا علاج مغربی آئیڈیالوجی سے ممکن نہیں ہے بلکہ اس کا واحد راستہ اسلام ہے''۔ (عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی جنرل سکریٹری رابطہ عالم اسلامی مکہ کے انٹرویو سے ماخوذ، دعوت دہلی بحوالہ: المجتمع شمارہ: ۱۴۹۵)

کارلی فیورنیا (Corly Fiornia) نے، جو مشہور بین الاقوامی کمپنی (Hewlett Packard) کے چیف ایگزیکیوٹیو افسر ہیں، ۲۶ ستمبر ۲۰۰۱ء کو ایک لیکچر میں تب کہا (جب نائن الیون کا حادثہ بالکل تازہ تھا اور پوری دنیا میں تقریبا اسلام اور مسلمان نشانے پر تھے): ''ایک وقت تھا جب دنیا میں ایک عظیم ترین تمدن تھا جس نے عالمی سطح پر ایک عظیم مملکت قائم کی تھی، اس کی حدود سمندروں، دریاؤں اور ریگستانوں تک پھیلی ہوئی تھیں، اس کی زبانوں میں ایک زبان کو عالمی حیثیت حاصل تھی، وہ ایک سو سرزمینوں کے درمیان پل کا کام کرتی تھی، اس کی فوج مختلف قومیتوں پر مشتمل تھی، اس کی معیشت کا دائرہ لاطینی امریکہ سے چین تک پھیلا ہوا تھا، اس کا نظام تعمیر نہایت عمدہ اور اعلی تھا، اس نے علم ریاضی الجبرا جیسے جدید علوم پیدا کئے اور آج کے کمپیوٹر کا دور اسی علم کا دین ہے۔ جدید علم وسائنس اسی عظیم تمدن کی دین ہے۔ خواہ وہ علم طب ہو یا فلکیات، اس کے حکمراں انتہائی کشادہ دل، وسیع النظر اور روادار ہوا کرتے تھے، جس زمانے میں مختلف اقوام جدید خیالات سے خوفزدہ تھیں، اس عظیم تمدن نے انہیں آگے بڑھ کر اپنایا اور فروغ دیا۔ سچ یہ ہے کہ ہماری آج کی ترقی اس تمدن کی مرہون منت ہے اور ہم اس قرض کے بوجھ تلے دبے ہیں۔ آج کے اس تاریک اور سنگین دور میں (جہاں برسوں بدامنی اور مختلف سطحوں پر اشانتی پھیلی ہے) اسی عظیم اسٹیٹ کے اصولوں کو اپنانے کی ضرورت ہے''۔ (دعوت: ۲۷/۲/۲۰۰۲ء)

(مراجع ومصادر: تلخیص تفہیم القرآن، تفسیری حواشی مع ترجمہ، اسلام اور عالمی مسائل، دہشت گرد کون ہے؟ البلاغ، ترجمان، نوائے اسلام، طوبی، اسلام اور غلط فہمیاں'' (دعوت کا خاص شمارہ)، افکار عالیہ، وغیرہ)

☆☆☆

نبی اکرم ﷺ کی شجاعت و دلیری

محمد اسلم مبارک پوری

شجاعت و بہادری کا شمار اخلاق فاضلہ میں ہوتا ہے۔ جواں مردی اور دلیری میں آپ کا مقام سب سے بلند اور اعلی تھا۔ آپ سب سے زیادہ دلیر تھے۔ نہایت کٹھن اور مشکل مواقع پر جبکہ اچھے اچھے جاں بازوں اور بہادروں کے پاؤں اکھڑ گئے، آپ اپنی جگہ برقرار رہے، اور پیچھے ہٹنے کے بجائے آگے بڑھتے گئے۔ پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔ بڑے بڑے بہادر بھی کبھی نہ کبھی بھاگے اور پسپا ہوئے، مگر آپ ﷺ میں یہ بات کبھی نہیں پائی گئی۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

"كان النبي ﷺ أحسن الناس وأجود الناس وأشجع الناس"۔ (۱)

رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ خوبصورت، سب سے زیادہ سخی اور سب سے زیادہ دلیر تھے۔

آپ ﷺ کی شجاعت و بہادری کا اعتراف کرتے ہوئے قرآن میں اللہ سبحانہ نے تن تنہا قتال فی سبیل اللہ کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لاَ تُكَلَّفُ إِلاَّ نَفْسَكَ﴾ (النساء:۸۴) تو اللہ تعالی کی راہ میں جہاد کرتا رہ، تجھے صرف تیری ذات کی نسبت حکم دیا جاتا ہے۔

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

كنا إذا حمي البأس ولقي القومُ القومَ اتقينا برسول الله ﷺ ، فلا يكون أحد منا أدنى إلى القوم منه. (۲)

جب زور کا رن پڑتا اور جنگ کے شعلے خوب بھڑک اٹھتے تو ہم رسول اللہ ﷺ کی آڑ لیا کرتے تھے، آپ سے بڑھ کر کوئی شخص دشمن کے قریب نہ ہوتا۔

خادم رسول انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مکہ والوں میں سے اسّی (۸۰) آدمی جبل تنعیم سے نماز فجر کے وقت نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کو قتل کرنے کے لیے اترے تو رسول اللہ ﷺ نے (شجاعت و بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے) انہیں کسی مزاحمت کے بغیر گرفتار کرلیا۔ پھر آپ ﷺ نے ان کو آزاد کردیا تو اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم بِبَطْنِ مَكَّةَ﴾ (الفتح:۲۴) اللہ ہی نے ان کا ہاتھ تم سے، اور تمہارا ہاتھ ان سے وادی مکہ میں روک دیا۔ (۳)

(۱) بخاری (۲۹۰۹)، مسلم (۴۸/۲۳۰۷) (۲) مستدرک حاکم (۱۴۳/۲) وصححہ وافقہ الذھبی۔
(۳) مسلم (۴۶/۱۸۰۸)

۱- کفار قریش کی محاذ آرائی نبی کریم ﷺ کے ساتھ مختلف طریقوں سے جاری رہی، جور وظلم حد تک پہنچ گیا۔ابوجہل، ابولہب، عقبہ بن ابی معیط اور دیگر صنادید قریش عداوت ودشمنی میں پیش پیش تھے۔امیہ بن خلف، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ اور اخنس بن شریق ثقفی نے بھی آپ ﷺ پر ستم کے پہاڑ ڈھانے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی تھی۔حالت یہ تھی کہ جب کسی کے مسلمان ہونے کا پتہ چل جاتا تھا مشرکین اس کے درپے ہوجاتے تھے۔

ان تکلیف دہ حالات میں آپ ﷺ نے شجاعت وبہادری کی مثال قائم کرتے ہوئے ان کے سامنے ڈٹے رہے، آپ کے پائے ثبات میں ذرہ برابر لغزش نہ ہوئی، نہایت جواں مردی اور دلیری سے ان کا مقابلہ کیا۔

جہاں تک قریش کے دوسرے بدمعاشوں کا تعلق ہے تو ان کے دلوں میں بھی نبی ﷺ کے خاتمے کا برابر خیال پک رہا تھا۔انہوں نے بھی ظلم وستم ڈھانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔چنانچہ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک بار مشرکین حطیم میں جمع تھے، میں بھی موجود تھا، مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کا ذکر چھیڑا اور کہنے لگے: اس شخص کے معاملے میں ہم نے جیسا صبر کیا ہے اس کی مثال نہیں۔درحقیقت ہم نے اس کے معاملے میں بہت ہی بڑی بات پر صبر کیا ہے۔یہ گفتگو چل رہی تھی کہ رسول اللہ ﷺ نمودار ہوئے۔آپ ﷺ نے پہلے حجر اسود کو چوما، پھر طواف کرتے ہوئے مشرکین کے پاس سے گزرے۔انہوں نے کچھ طعنہ زنی کی، جس کا اثر میں نے آپ ﷺ کے چہرے پر دیکھا۔اس کے بعد دوبارہ آپ کا گزر ہوا تو مشرکین نے پھر اسی طرح کی لعن طعن کی۔میں نے اس کا بھی اثر آپ کے چہرے پر دیکھا۔اس کے بعد آپ سہ بارہ گذرے تو مشرکین نے پھر آپ پر لعن طعن کی۔اب کی بار آپ ﷺ ٹھہر گئے، اور فرمایا:

أتسمعون يا معشر قريش، أما والذي نفسي بيده لقد جئتكم بالذبح۔

قریش کے لوگو! سن رہے ہو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں تمہارے پاس ذبح لے کر آیا ہوں۔

آپ ﷺ کے اس ارشاد نے لوگوں کو پکڑ لیا، اور ان پر ایسا سکتہ طاری ہوا، گویا ہر آدمی کے سر پر چڑیا ہے۔یہاں تک کہ جو آپ پر سب سے زیادہ سخت تھا، وہ بھی بہتر سے بہتر لفظ، جو پا سکتا تھا، اس کے ذریعہ آپ سے طلب گار رحمت ہونے لگا، کہتا کہ ابوالقاسم (نبی ﷺ کی کنیت ہے) واپس جائیے، اللہ کی قسم آپ کبھی بھی نادان نہ تھے۔

دوسرے دن قریش پھر اسی طرح جمع ہوکر آپ کا ذکر کررہے تھے کہ آپ نمودار ہوئے، دیکھتے ہی سب یکجان ہوکر آپ ﷺ پر پل پڑے، اور آپ کو گھیر لیا، پھر میں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ اس نے گلے کے پاس سے آپ کی چادر پکڑ لی، اور بل دینے لگا۔ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے بچاؤ میں لگ گئے، وہ روتے جاتے تھے اور یہ کہتے جاتے تھے:

أتقتلون رجلا أن يقول ربي الله؟

کیا تم لوگ ایک ایسے آدمی کو اس لیے قتل کررہے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے۔

اس کے بعد وہ لوگ آپ کو چھوڑ کر پلٹ گئے اور ابوبکر صدیق سے لپٹ گئے، اور ان کو بہت زدوکوب کیا۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

یہ سب سے سخت ترین ایذاء رسانی تھی، جو میں نے قریش کو کرتے ہوئے دیکھی۔(۱)

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ مشرکین نے نبی ﷺ کے ساتھ جو سب سے سخت ترین بدسلوکی تھی، آپ مجھے اس کی تفصیل بتائیے؟ انہوں نے کہا کہ نبی ﷺ خانہ کعبہ کے پاس حطیم میں نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط آ گیا، اس نے آتے ہی اپنا کپڑا آپ ﷺ کی گردن میں ڈال کر نہایت سختی کے ساتھ آپ کا گلا گھونٹا، اتنے میں ابوبکر (رضی اللہ عنہ) آ گئے اور انہوں نے اس کا دونوں کندھا پکڑ کر دھکا دیا، اور اسے نبی ﷺ سے دور کرتے ہوئے فرمایا:

أتقتلون رجلا أن يقول ربي الله؟

تم لوگ ایک ایسے آدمی کو اس لیے قتل کر رہے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے۔(۲)

اسماء رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس یہ چیخ پہنچی کہ اپنے ساتھی (نبی ﷺ) کو بچاؤ، وہ فورا ہمارے پاس سے نکلے، ان کے سر پر چار چوٹیاں تھیں، وہ یہ کہتے ہوئے گئے کہ أتقتلون رجلا أن يقول ربي الله؟ تم لوگ ایک ایسے آدمی کو صرف اس لیے قتل کر رہے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ مشرکین نبی ﷺ کو چھوڑ کر ابوبکر رضی اللہ عنہ پر پل پڑے۔ واپس آئے تو ان کی حالت یہ تھی کہ ہم ان کی چوٹیوں کا جو بھی بال چھوتے، وہ ہماری چٹکی کے ساتھ چلا آتا تھا۔(۳)

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بال بہت زیادہ اور گھنے تھے۔(۴)

اس واقعہ میں نبی کریم ﷺ کی شجاعت ودلیری کی دلیل ہے کہ آپ کس جواں مردی کے ساتھ قریش کے سامنے ڈٹے رہے، اور راہ حق کی تبلیغ میں کس طرح ان کی تکالیف اور مصائب کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔

۲- اہل مکہ کو معرکۂ بدر میں شکست وہزیمت کی جو زک، اور اپنے صنادید اشراف کے قتل کا جو صدمہ برداشت کرنا پڑا تھا اس کے سبب انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ فیصلہ کن معرکہ آرائی کی تیاری شروع کر دی تا کہ اس جنگ سے اپنا کلیجہ ٹھنڈا کر لیں، اور اپنے جذبہ غیظ وغضب کو تسکین دیں۔ یہ جنگ تاریخ میں ''غزوۂ احد'' کے نام سے موسوم ہے۔ اس غزوہ میں نبی

---

(۱) سیرت ابن ہشام (۲۶۱/۴-۲۶۲) نیز اسے امام احمد (۲۱۸/۲) ابن حبان (۶۵۳۳) بیہقی (دلائل النبوۃ ۲۸۸/۲) اور ابونعیم (دلائل النبوۃ (۱۶۵) میں روایت کیا ہے، اور یہ روایت حسن ہے، فتح الباری (۲۰۷/۷)

(۲) بخاری (۳۸۵۶) (۳) مسند ابویعلی (۱۵۲/۱) حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۲۰۷/۷) میں اسے حسن کہا ہے۔

(۴) سیرت ابن ہشام (۲۶۲/۴)

ﷺ نے جاں بازی اور سرفروشی کے جوہر دکھلائے ،اور لشکر میں شجاعت ودلیری کی روح پھونکی ،انہیں جوش وہمت دلایا۔ فریقین نے ایک دوسرے کو دعوت مبارزت دی،لڑائی کا مرحلہ شروع ہوگیا، ہرطرف جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے،اور پورے میدان میں پرزور مار دھاڑ شروع ہوگئی ،آپ ﷺ بھی میدان میں بنفس نفیس حاضر تھے اور جب کوئی ولولہ انگیز منظر دیکھتے تو فرط مسرت سے نعرۂ تکبیر بلند کرتے ،اور صحابہ کرام کو جوش ولولہ دلاتے ،ابتداء میں مسلمانوں نے دشمن کو شکست دے دی تھی، ان کی صفیں دائیں بائیں آگے پیچھے سے بکھرنے لگیں، اور ان کے ۱۲ مشہور علم بردار مارے جاچکے تھے، لیکن مسلمان تیر اندازوں کی ایک خوف ناک غلطی کی وجہ سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا،اور مسلمان سنگین خسارے سے دوچار ہوئے خود نبی ﷺ شہادت سے بال بال بچے۔

فتح کی خوشی میں جبل رماۃ پر متعین کئے گئے افراد نے اپنے مورچے چھوڑ دیئے اور مال غنیمت سمیٹنے کے لیے عام لشکر میں شامل ہوگئے۔صرف عبداللہ بن جبیر (کمانڈر) اور ان کے نو ساتھی باقی رہ گئے جو اس عزم کے ساتھ اپنے مورچوں پر ڈٹے رہے کہ یا تو انہیں اجازت دی جائے گی یا پھر وہ بھی اپنی جان جاں آفریں کے حوالے کردیں گے۔اس زریں موقع کا دشمن نے فائدہ اٹھایا، اور خالد بن ولید (جو اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے) نہایت تیزی سے چکر کاٹ کر اسلامی لشکر کی پشت پر جا پہنچے، اور چند لمحوں میں عبداللہ بن جبیر اور ان کے ساتھیوں کا صفایا کرکے مسلمانوں پر پیچھے سے ٹوٹ پڑے۔ مسلمانوں کا اس وقت سخت نقصان ہوا اور لشکر کا بڑا حصہ تتر بتر ہوگیا۔

اس وقت رسول اللہ ﷺ میدان جنگ میں صرف نو صحابہ کے ہمراہ پیچھے تشریف فرما تھے۔(۱) اور مسلمانوں کی مار دھاڑ اور مشرکین کے پاؤں اکھڑ جانے کا منظر دیکھ رہے تھے کہ آپ کو اچانک خالد بن ولید کے شہسوار دکھائی پڑے،اس کے بعد آپ ﷺ کے سامنے دو ہی راستے تھے، یا تو آپ اپنے نو رفقاء سمیت تیزی سے بھاگ کر کسی محفوظ جگہ چلے جاتے ،اور اپنے لشکر کو اس کی قسمت پر چھوڑ دیتے یا اپنی جان خطرہ میں ڈال کر اپنے صحابہ کو بلاتے ،اور آپ کے پاس مضبوط محاذ تشکیل دیتے۔

آزمائش کے اس نازک ترین موقع پر رسول اللہ ﷺ کا پرخطر فیصلہ اور دلیرانہ اقدام قابل دید تھا،آپ کی عبقریت اور بے نظیر شجاعت نمایاں تھی، کیونکہ آپ جان بچا کر بھاگنے کے بجائے اپنی جان خطرہ میں ڈال کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جان بچانے کا فیصلہ کیا، اور انہیں اپنی طرف بلایا، اس وقت مشرکین آپ کے بہت قریب تھے، آپ کی آواز سن لی اور آپ کو پہچان لیا، چنانچہ انہوں نے جھپٹ کر آپ پر حملہ کردیا اور آپ ﷺ کے اردگرد سخت خوں ریز معرکہ آرائی شروع ہوگئی، جس میں آپ کو متعدد زخم لگے، ابن قمیہ کے پتھر سے آپ کی پیشانی ، اور ابن ہشام کے پتھر سے آپ کا بازو زخمی ہوا، جس میں آپ کو متعدد زخم لگے، ابن قمیہ کے پتھر سے آپ کی خود (لوہے کی ٹوپی) آپ کے چہرے انور میں پیوست ہوگئی ، پھر بھی آپ ﷺ کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی اور شجاعت وجواں مردی کے ساتھ میدان جنگ میں ڈٹے رہے۔

(۱) مسلم (۱۷۸۹/۱۰۰)، بخاری (۴۵۶۱) میں بارہ صحابہ کا ذکر ہے۔

صحیح بخاری میں مروی ہے کہ آپ کا رباعی دانت توڑ دیا گیا، اور سر زخمی کر دیا گیا، اس وقت آپ اپنے چہرے سے خون پونچھتے جارہے تھے اور کہتے جارہے تھے:

كيف يفلح قوم خضبوا وجه نبيهم، وهو يدعوهم إلى الإسلام.

وہ قوم کیسے کامیاب ہوسکتی ہے جس نے اپنے نبی کے چہرے کو زخمی کر دیا (اور اس کا دانت توڑ دیا) حالانکہ وہ انہیں اسلام کی طرف دعوت دے رہا تھا۔ اس پر اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ﴾ (آل عمران:۱۲۸)

آپ کو کوئی اختیار نہیں اللہ چاہے تو انہیں توبہ کی توفیق دے اور چاہے تو عذاب دے کہ وہ ظالم ہیں۔(۱)

صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ بار بار یہ کہہ رہے تھے:

اللهم اغفر لقومي فإنهم لا يعلمون. (۲)

اے اللہ! میری قوم کو بخش دے، وہ جانتی نہیں۔

خادم رسول انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غزوۂ احد کے روز رسول اللہ ﷺ سات انصار اور دو قریشی صحابہ کے ہمراہ الگ تھلگ رہ گئے تھے، جب حملہ آور آپ کے بالکل قریب پہنچ گئے تو آپ نے فرمایا: من يردهم عنا، وله الجنة أو هو رفيقي في الجنة. کون ہے جو انہیں ہم سے دفع کرے اور اس کے لیے جنت ہے؟ یا یہ فرمایا: وہ جنت میں میرا رفیق ہوگا۔ اس کے بعد ایک انصاری صحابی آگے بڑھے اور لڑتے لڑتے شہید ہوگئے۔ اس کے بعد مشرکین آپ کے بالکل قریب آگئے، اور پھر یہی ہوا۔ اسی طرح باری باری ساتوں انصاری صحابی شہید ہوگئے، اس پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے دو باقی ماندہ قریشی ساتھیوں سے فرمایا:

ما أنصفنا أصحابنا. (۳)

ہم نے اپنے ساتھیوں سے انصاف نہیں کیا۔

ان ساتوں میں سے آخری صحابی حضرت عبادہ بن یزید بن السکن تھے۔ وہ لڑتے رہے یہاں تک کہ زخموں سے چور ہوکر گر پڑے۔ ایک لحظہ بعد رسول اللہ ﷺ کے پاس صحابہ کرام کی ایک جماعت آگئی، انہوں نے کفار کو حضرت عمارہ سے پیچھے ڈھکیلا، اور انہیں رسول اللہ ﷺ کے قریب لے آئے، آپ نے انہیں اپنے پاؤں پر ٹیک لیا، اور اسی حالت میں حضرت عمارہ رضی اللہ عنہ نے اپنی جان جاں آفریں کے حوالے کی کہ آپ ﷺ کے پاؤں پر ان کا رخسار تھا۔(۴) گویا یہ آرزو حقیقت بن گئی کہ:

(۱) بخاری، معلقا (۴۲۲/۷) مسلم (۱۷۹۱/۱۰۴) (۲) مسلم (۱۷۹۲/۱۰۵)

(۳) حوالہ بالا (۱۷۸۹/۱۰۰) (۴) ابن ہشام (۷۴۸/۱۱)

نکل جائے دم تیرے قدموں کے اوپر یہی دل کی حسرت، یہی آرزو ہے

اس موقع پر مسلمانوں نے نادرۂ روزگار جاں بازی، اور تابناک قربانیوں سے کام لیا جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔ خود نبی ﷺ نے پامردی وجاں بازی کے جوہر دکھلائے، جس کی مثال پیش کرنے سے تاریخ کے صفحات قاصر ہیں۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ گھاٹی میں تشریف لا چکے تو ابی بن خلف یہ کہتا ہوا آیا کہ محمد کہاں ہیں؟ یا تو میں رہوں گا یا وہ، صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم میں سے کوئی اس پر حملہ کرے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسے آنے دو، جب قریب آیا تو رسول اللہ ﷺ نے حارث بن صمہ سے ایک چھوٹا سا نیزہ لیا اور لینے کے بعد جھٹکا دیا تو اس طرح لوگ ادھر ادھر اڑ گئے جیسے اونٹ اپنے بدن کو جھٹکا دیتا ہے تو مکھیاں اڑ جاتی ہیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ اس کے بالمقابل پہنچے۔ اس کی خود اور زرہ کے درمیان حلق کے پاس تھوڑی سی جگہ کھلی دکھائی پڑی، آپ نے اسی پر ٹکا کر ایسا نیزہ مارا کہ وہ گھوڑے سے کئی بار لڑھک گیا۔ گردن میں کوئی بڑی خراش نہ تھی۔ جب قریش کے پاس گیا تو کہنے لگا: مجھے محمد نے واللہ قتل کر دیا۔ لوگوں نے کہا: اللہ کی قسم، تمہارا دل بیٹھ گیا ہے۔ ورنہ تمہیں کوئی خاص چوٹ نہیں ہے، اس نے کہا: وہ مکہ میں مجھ سے کہہ چکا تھا کہ میں تمہیں قتل کروں گا، اس لیے اگر وہ مجھ پر تھوک دیتا تو بھی میری جان چلی جاتی۔ بالآخر اللہ کا یہ دشمن مکہ واپس ہوتے ہوئے مقام سرف پہنچ کر مر گیا۔ (۱)

جب رسول اللہ ﷺ گھاٹی کے اندر اپنی قیام گاہ میں پہنچ گئے تو آپ زخموں سے چور چور تھے۔ آپ کے زخموں سے خون بہہ رہا تھا۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا زخم کس نے دھویا؟ پانی کس نے بہایا، اور علاج کس چیز سے کیا گیا؟ آپ ﷺ کی لخت جگر فاطمہ رضی اللہ عنہا نے زخم دھویا اور حضرت علی بن ابی طالب پانی ڈال رہے تھے، جب فاطمہ نے دیکھا کہ پانی کے سبب خون بڑھتا ہی جا رہا ہے تو چٹائی کا ایک ٹکڑا لیا، اور اسے جلا کر چپکا دیا، جس سے خون رک گیا۔ (۲)

۳- شجاعت وبہادری کا ایسا ہی واقعہ غزوۂ حنین میں پیش آیا، جس کی چشم دید تفصیل عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوۂ حنین میں شریک تھا۔ میں نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ صرف دو کے علاوہ کوئی اور نہ تھا۔ ایک میں، دوسرے ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب۔ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ برابر ڈٹے رہے۔ ایک لمحہ بھی جدا نہ ہوئے، اور آپ ﷺ اپنے خچر پر تھے جسے فروہ بن نفاثہ جذامی نے تحفے میں دیا تھا۔ جب جنگ شروع ہوئی، مسلمان اور کفار باہم گتھم گتھا ہو گئے تو مسلمان بھاگ کھڑے ہوئے۔ اسی نازک ترین لمحات میں رسول اللہ ﷺ

(۱) سیرت ابن ہشام (۱۱/۷۵۰-۷۵۱) طبقات کبری لابن سعد (۲/۴۶)

(۲) بخاری (۴۰۷۵) مسلم (۱۷۹۰/۱۰۱)

کی بے نظیر شجاعت کا ظہور ہوا اور اس شدید بھگدڑ کے باوجود آپ ﷺ کا رخ کفار کی طرف تھا، اور آپ پیش قدمی کے لیے اپنے خچر کو ایڑ لگا رہے تھے۔

عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کے خچر کی لگام تھام رکھی تھی اور خچر کو روک رہے تھے کہ کہیں تیزی سے آگے نہ بڑھ جائے۔ اور ابوسفیان نے رکاب تھام رکھی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ کو جن کی آواز بہت بلند تھی حکم دیا کہ صحابہ کو پکاریں۔ حضرت عباس کہتے ہیں: میں نے نہایت بلند آواز سے پکارا:

أين أصحاب السمرة؟

درخت والو (بیعت رضوان والو) کہاں ہو؟

وہ لوگ میری آواز سن کر کے اس طرح مڑے جس طرح گائے اپنے بچوں پر مڑتی ہے، اور جواباً کہا: ہاں آئے آئے، جب مسلمان آ گئے تو پھر گھمسان کی جنگ شروع ہوئی، اس کے بعد انصار کی پکار شروع ہوئی يا معشر الأنصار، يا معشر الأنصار اوانصاریو، اوانصاریو!

پھر یہ پکار بنو حارث بن خزرج کے اندر محدود ہوگئی، ادھر مسلمان دستوں نے جس رفتار سے میدان چھوڑا تھا اسی رفتار سے ایک کے پیچھے ایک آتے گئے، اور دیکھتے دیکھتے فریقین میں دھواں دھار جنگ شروع ہوگئی۔ رسول اللہ ﷺ نے جنگ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو گھمسان کا رن پڑ رہا تھا، فرمایا:

هذا حين حمي الوطيس

اب چولہا گرم ہوگیا ہے۔

پھر آپ ﷺ نے زمین سے ایک مٹھی مٹی لے کر دشمن کی طرف پھینکتے ہوئے فرمایا:

انهزموا

میدان ہار جائیں۔

یہ مٹھی بھر مٹی اس طرح پھیلی کہ دشمن کا کوئی ایسا آدمی نہ تھا جس کی آنکھ بھر نہ گئی ہو، اس کے بعد ان کی دھار کند ہوتی گئی، اور ان کا کام پشت پھیرتا چلا گیا۔ (۱)

مٹی پھینکنے کے چند ساعت بعد دشمن کو کاری شکست ہوئی، ثقیف کے تقریباً ۷۰ آدمی قتل کئے گئے۔

براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے ایک آدمی نے سوال کیا کہ کیا آپ لوگ حنین کے دن نبی ﷺ کے پاس سے بھاگ گئے تھے؟ جواب دیا: نہیں نہیں، اللہ کی قسم، نبی ﷺ نے بھی پشت نہ پھیری (بلکہ میدان میں ڈٹے رہے) لیکن ہوازن تیر انداز تھے۔ ہم نے جب حملہ کیا تو بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد ہم مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے اور تیروں سے ہمارا استقبال کیا گیا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ اپنے سفید خچر پر سوار تھے، اور ابوسفیان نے لگام پکڑ رکھی تھی، اور نبی ﷺ یہ

(۱) صحیح مسلم (۷۶/۱۷۷۵)

فرمارہے تھے:

أنـا النبــي لا كذب أنا ابن عبد المطلب

میں نبی ہوں، یہ جھوٹ نہیں ہے، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔(۱)

حضرت براء بن عازب کہتے ہیں: جب گھمسان کی جنگ ہوتی تھی تو ہم آپ ﷺ کی آڑ لیا کرتے تھے۔(۲) کیونکہ کہ آپ ﷺ بہت ہی نڈر اور شجاع (بہادر) تھے۔

سلمہ بن الاکوع کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زمین سے مٹی لے کر دشمن کی طرف پھینکتے ہوئے فرمایا: شاهت الوجوه۔ چہرے بگڑ جائیں۔

یہ مٹھی بھر مٹی اس طرح پھیلی کہ دشمن کا کوئی فرد ایسا نہ تھا جس کی آنکھ اس سے بھر نہ گئی ہو، پھر اس کے بعد دشمن شکست کھا کر بھاگ گئے۔(۳)

۴- خادم رسول انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ جری، دلیر اور قوی تھے۔ایک رات اہل مدینہ کو خطرہ محسوس ہوا، لوگ آواز کی طرف دوڑے، بھاگے، راستے میں رسول اللہ ﷺ واپس آتے ہوئے ملے۔ آپ ﷺ لوگوں سے پہلے ہی آواز کی جانب پہنچ کر (خطرے کے مقام کا جائزہ لے) چکے تھے۔اس وقت آپ ﷺ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے ایک ننگے گھوڑے پر سوار تھے۔آپ کی گردن میں تلوار لٹک رہی تھی، اور آپ فرمارہے تھے:

لم تراعوا، لم تراعو !

ڈرونہیں، ڈرونہیں (اطمینان رکھو، کوئی خطرہ نہیں ہے)

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

وجدناه بحرا، أو إنه لبحر۔

اس (گھوڑے) کو ہم نے سمندر کی طرح تیز رو پایا۔

حالانکہ وہ سست رفتار گھوڑا تھا۔(۴)

سیرت کا مطالعہ کرنے والوں کو بیعت العقبہ کی بنیادی ملاقات کا واقعہ تو یاد ہی ہوگا کہ شب تاریک اور منزل پر خطر ہونے کے خوف سے ایک قافلہ پہاڑ کی گھاٹی میں پناہ لینے پر مجبور ہوجاتا، اور آبادی تک پہنچنے کی جرأت نہیں کرتا اور نبی ﷺ جن کی جان کا دشمن مکہ کا ایک ایک فرد تھا، اپنی شجاعت وبسالت، اور جواں مردی ودلیری سے ایسے وقت اور ایسے مقام میں اس لیے چکر لگارہے ہیں کہ شاید کسی گم کردہ ضلالت کو ہدایت فرماسکیں۔

☆☆☆

(۱) بخاری (۴۳۱۷) مسلم (۱۷۷۶/۸۰) (۲) مسلم (۱۷۷۶/۷۹)

(۳) مسلم (۱۷۷۷/۸۱) (۴) بخاری (۲۹۰۹) مسلم (۲۳۰۷/۴۸) نیز دیکھیں (شرح مسلم نووی ۶۷/۱۵)

عصری جامعات سے اعلیٰ تعلیم یافتہ فارغین مدارس کی کارکردگی

تحریر: انیس الرحمٰن خرّم
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ عربی، عالیہ یونیورسٹی، کلکتہ

محترم انیس الرحمٰن خرّم صاحب کا یہ مقالہ جامعہ سلفیہ بنارس میں منعقدہ عالمی کانفرنس بعنوان: ''**سنت نبوی اورامن عالم**'' کی مناسبت سے ادارہ محدث کوموصول ہوا تھا، اگر چہ آپ کا یہ مقالہ کانفرنس نمبر میں شائع نہ ہوسکا، مگراس مقالہ کی افادیت کے پیش نظر اسے محدث کے اس شمارہ میں شائع کیا جارہا ہے۔

اس مقالہ میں فاضل مقالہ نگار نے فارغین مدارس جوسرکاری، غیرسرکاری اور پرائیویٹ اداروں کے بڑے مناصب پر فائز ہیں ان کی کارکردگی کا ایک جائزہ پیش کیا ہے۔ الحمدللہ جامعہ سلفیہ بنارس کے فارغین نے بھی ملک وبیرون ملک میں اپنی عمدہ کارکردگی سے نام روشن کیا ہے۔ ابھی گذشتہ سال جامعہ سلفیہ کے ایک فاضل جناب حماد ظفر .I.A.S کے امتحان میں کامیابی سے سرفراز ہوئے ہیں۔ (ادارہ)

الحمد لله الواحد الأحد، الفرد الصمد، الذي لم يلد ولم يولد، ولم يكن له كفوا أحد، والصلوة والسلام على نبيا محمد وعلى آله وصحبه، أمابعد:

۱۸۵۷ء میں سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد بہت سے مسلم تعلیمی ادارے قائم ہوئے، جن میں دارالعلوم (دیوبند)، مظہرالعلوم (سہارنپور)، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، جامعہ ملیہ اسلامیہ (نئی دہلی)، جامعہ عثمانیہ (حیدرآباد) اورندوۃ العلماء (لکھنؤ) قابل ذکر ہیں۔ ان تعلیمی اداروں کو بنیادی طور پر دوحصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: دینی اورعصری تعلیمی ادارے۔ برصغیر کے ان عظیم تعلیمی اداروں نے دینی اورعصری تعلیم کوالگ الگ کرکے دیکھا، جب کہ اس کے برخلاف ہمارے عہد وسطی کے مدارس کا مطمح نظر دینی اور دنیاوی دونوں علوم کی یکساں طور پر ترویج واشاعت تھی۔ اورآزادی کے بعد اس نظریاتی اختلاف میں مزید اضافہ ہی ہوتا گیا اور جو دینی مدارس قائم ہوئے وہ صرف اورصرف دینی تعلیم کے لیے ہی محدود ہوکر رہ گئے۔ اس کے بہت سے اسباب ووجوہات ہیں۔ جن سے بڑی حدتک اتفاق بھی کیا جاسکتا ہے، چاہے ان کا تعلق وسائل کی عدم فراوانی سے ہو، اہل حرم کی کم نگاہی یا اہل دیر کی تنگ نظری سے ہو۔

ان دینی مدارس سے ہرسال طلبہ کی ایک بڑی تعداد فارغ ہوتی ہے جنہیں بنیادی طور پر تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: وہ فارغین جو مساجد اور مکاتب ومدارس سے منسلک ہوکر بے لوث دینی وسماجی خدمات انجام دیتے ہیں۔ دوسری جماعت

تجارت اور صنعت وحرفت سے جڑ جاتی ہے۔ اور تیسرا طبقہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے ملک کے عصری جامعات کا رخ کرتا ہے۔ یہاں پر اسی تیسرے طبقہ کی کارکردگی کا مختصر طور پر ایک جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

یوں تو سچّر کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق مدارس میں زیر تعلیم طلبہ کی تعداد کا تناسب کل مسلم آبادی کا چار فیصد سے بھی کم ہے، مگر جب ہم ان کے تناسب کے حساب سے ان کی دینی، سماجی، تعلیمی اور قومی خدمات کا جائزہ لیتے ہیں تو نسبتاً چھیانوے فیصد کے اپنے مساوی عدد پر بھاری نظر آتے ہیں۔ یہ نہ صرف مساجد میں بحیثیت امام وخطیب اور مدارس میں بحیثیت مدرس بے لوث خدمات انجام دے رہے ہیں بلکہ عصری جامعات سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد سرکاری، نیم سرکاری اور غیر سرکاری اداروں اور محکموں میں بھی اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں اور نہایت ہی پابندی، امانت ودیانت داری اور خوش اسلوبی سے عائد کردہ ذمہ داریوں کو انجام دے رہے ہیں۔

ابتداء میں فارغین مدارس کی چھوٹی ہی جماعت، عصری علوم کے لیے عصری جامعات کا رخ کرتی تھی، داخلہ بھی ملک کی صرف چند یونیورسٹیوں میں ہی ممکن تھا اور دائرۂ تعلیم اسلامیات، عربی، فارسی، اردو اور طب یونانی تک ہی محدود تھا، لیکن اب حالات پہلے سے زیادہ موافق ہیں۔ ملک کی دیگر مایہ ناز اور مثالی یونیورسٹیوں نے ان کے لیے اعلیٰ تعلیم کے دروازے کھول دیئے ہیں اور دائرۂ تعلیم بھی وسیع کر دیا ہے، جس کی بنا پر فارغین مدارس اب ان جامعات میں نہ صرف شعبۂ اسلامیات، عربی، اردو، فارسی اور طب یونانی تک محدود ہیں بلکہ انگریزی، غیر ملکی زبانیں، تاریخ، اقتصادیات، مغربی ایشیا، قانون اور صحافت وغیرہ جیسے اہم شعبے میں ان کی ایک بڑی تعداد زیر تعلیم ہے۔ کچھ جامعات میں تو سائنسی اور ٹکنالوجی کے شعبوں کو چھوڑ کر دیگر علوم وفنون مثلاً علوم سماجیات، بشریات، لسانیات اور بین الاقوامی اسٹڈیز کے شعبوں ومراکز کے دروازے کھلے ہیں۔ اس ضمن میں جامعہ ملیہ اسلامیہ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور جواہر لال نہرو یونیورسٹی کو بطور مثال پیش کیا جاسکتا ہے۔ اور اب فارغین مدارس عصری جامعات سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد نہ صرف شعبۂ اسلامیات، عربی، اردو، فارسی اور طب یونانی میں بطور استاد متعدد جامعات، کالجوں اور اسکولوں میں تعلیمی وتدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں بلکہ شعبۂ تاریخ، اقتصادیات، امور مغربی ایشیاء، ثقافت ہندوعرب اور مذاہب وادیان جیسے اہم شعبوں میں فارغین مدارس کی بحیثیت اساتذہ نمائندگی نہ صرف ان کے علمی اور فکری صلاحیتوں کی عکاسی کرتی ہے بلکہ ان کے مادر علمی کے تعلیمی نظام کی پختگی اور ٹھوس بنیادوں پر استواری کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ یہاں اس بات کا ذکر مناسب ہوگا کہ فارغین مدارس حکومت کے بڑے بڑے تعلیمی اداروں اور عظیم دانش گاہوں میں نہ صرف درس وتدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں بلکہ انتظامیہ کے اعلیٰ عہدوں پر فائز بھی رہ چکے ہیں۔ ذیل میں چند مشہور پروفیسران واعلیٰ عہدیداران کا ذکر بطور نمونہ پیش کیا جاتا ہے:

پروفیسر ظل الرحمٰن (پدم شری) سابق ڈین حکیم اجمل خاں طبیہ کالج، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

پروفیسر مودود اشرف، سابق ڈین حکیم اجمل خاں طبیہ کالج، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

پروفیسر معین الدین اعظمی، سابق ڈین اسکول آف عرب اسٹڈیز، سنٹرل انسٹی ٹیوٹ فار انگلش اینڈ فارن لینگویجز، حیدرآباد

پروفیسر محسن عثمانی، سابق ڈین اسکول آف عرب اسٹڈیز، انگلش اینڈ فارن لنگویجز یونیورسٹی، حیدرآباد
پروفیسر محمد اسلم اصلاحی، ڈین اسکول آف لنگویجز، جواہر لال نہرو یونیورسٹی، دہلی
پروفیسر ضیاء الحسن ندوی (مرحوم) سابق ڈین فیکلٹی آف میومنٹیز اینڈ لنگویجز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی
پروفیسر پروفیسر ابوالکلام قاسمی، سابق ڈین فیکلٹی آف آرٹس، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی
پروفیسر محمد اقبال ندوی، ڈین اسکول آف عرب اسٹڈیز، انگلش اینڈ فارن لنگویجز، یونیورسٹی، حیدرآباد
پروفیسر اشتیاق احمد ظلی (ریٹائرڈ) شعبۂ تاریخ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی
پروفیسر زبیر احمد فاروقی (ریٹائرڈ) شعبۂ عربی، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی
پروفیسر عبدالعظیم اصلاحی، شعبۂ اقتصادیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی
پروفیسر مرزا نہال احمد بیگ، اسسٹنٹ ریجنل ڈائریکٹر، اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی، نئی دہلی
پروفیسر عطاء الرحمٰن، اسسٹنٹ ریجنل ڈائریکٹر، اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی، نئی دہلی

عصری جامعات سے اعلیٰ تعلیم یافتہ فارغین مدارس کی دوسری بڑی جماعت ان افراد پر مشتمل ہے جو مرکزی حکومت کے مختلف اداروں اور تنظیموں میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں۔ ان میں وزارت امور خارجہ کے ادارے اور محکمے (عرب ممالک میں واقع ہندوستانی سفارت خانے وقونصل خانے، امور حج، خلیجی ممالک اور مغربی ایشیا وشمالی افریقہ) میں فارغین مدارس جناب حفظ الرحمٰن، ارشاد احمد اور ڈاکٹر محمد علیم سکنڈ سکریٹری کے عہد پر فائز ہیں۔ جناب حفظ الرحمٰن بروقت تونس میں واقع ہندوستانی سفارت خانہ میں سکنڈ سکریٹری اور Head of the Chancery کے عہدہ پر خدمت انجام دے رہے ہیں۔ ارشاد احمد وزارت امور خانہ میں Gulf Division میں سکنڈ سکریٹری ہیں اور ڈاکٹر محمد علیم ریاض میں سکنڈ سکریٹری ہیں۔ وزارت دفاع کے ادارے نیشنل ڈیفنس اکیڈمی (NDA) پونہ میں حافظ کلیم احمد اور انیس الرحمٰن اسسٹنٹ پروفیسر اور غیر ملکی زبانوں کا اسکول (SFL)، نئی دہلی میں ڈاکٹر سلیم احمد کو اس ضمن میں ذکر کیا جاسکتا ہے۔ وزیر اعظم کے دفتر کے زیر نگرانی انتہائی حساس ادارہ (NTRO) میں ماہر لسانیات جیسے اہم اور اعلیٰ عہدہ پر عصری جامعات سے تعلیم یافتہ کئی فارغین مدارس مختلف شعبوں میں ملک وقوم کے لیے گراں قدر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اوپن اسکولنگ (NIOS) میں ڈاکٹر محمد اکمل ایگزیکٹیو آفیسر کے عہدہ پر فائز ہیں۔ اس کے علاوہ ملک کی مایہ ناز لائبریریاں جیسے نیشنل لائبریری، ایشاٹک سوسائٹی کلکتہ، خدابخش لائبریری پٹنہ، دائرۃ المعارف حیدرآباد اور رضا لائبریری رام پور اور ملک کی یونیورسٹیوں کی لائبریریوں میں عصری تعلیم یافتہ فارغین مدارس کی نمائندگی کسی نہ کسی عہدے پر ضرور ہے۔ رضا لائبریری رام پور میں ابوسعد اصلاحی ڈپٹی لائبریرین کی پوسٹ پر فائز ہیں۔

صحافت کے میدان میں فارغین مدارس کی گراں قدر خدمات ہر زمانے میں رہی ہیں اور آج کے دور میں خاص کر اردو میڈیا کا شاید ہی کوئی اخبار، جریدہ اور ٹی وی چینل ہوں جس میں عصری جامعات کے تعلیم یافتہ فارغین مدارس اپنا اپنا صحافتی

تعاون پیش نہ کررہے ہوں۔اوراب اردوصحافت کے علاوہ دیگر زبانوں کی صحافت خاص کرانگریزی صحافت میں ہماراتعاون روز بروز بڑھ رہا ہے۔(فارغین مدارس کواس سمت میں رہنمائی ان کے مادرعلمی کے ایام ہی میں مل جاتی ہے اورعصری جامعات میں داخلہ لینے کے بعدانہیں اپنی اس صلاحیت کونکھارنے کا مزید موقع ملتا ہے اورمختلف قسم کے اخبار ورسائل میں ان کے مضامین کی اشاعت بھی ہوتی رہتی ہے۔ بہت سے فارغین مدارس نے صحافت سے متعلق پروگراموں میں ڈپلوما اور ڈگریاں بھی حاصل کی ہیں)،اور بروقت آل انڈیا ریڈیو کے اردو،عربی، فارسی اورانگریزی شعبوں اور دیگر ٹی وی چینلوں یا اخبار ورسائل میں بطورمترجم،رپورٹر،مضمون نگاراور نیوز ریڈر کے کام کررہے ہیں۔اس ضمن میں بہت سے ناموں کا ذکرکیا جاسکتا ہے،مگراختصار کے مدنظرصرف ڈاکٹرمحمد حفیظ الرحمٰن،فرحان اختر،محمد قاسم (ETV) اردو،محمد انظر،جین ٹی وی،محمد افضل مصباحی اورمحمد جسں قاسمی،روزنامہ انقلاب اورشاہ عالم روزنامہ راشٹریہ سہارا کے نام پرہی اکتفا کیا جاتا ہے۔لیکن اس میدان میں سب سے بڑانام The Milli Gazette کے ایڈیٹرڈاکٹرظفرالاسلام خان کا ہے،جنہیں اورعربی اورانگریزی دونوں زبانوں کی صحافت میں عالمی سطح پریکساں شہرت حاصل ہے۔یہ الجزیرہ،العربیہ اور B.B.C.(عربی) جیسے نامور عالمی TV چینلوں کے برصغیر ہندوپاکستان کے سیاسی تجزیہ نگاراوراسلامی علوم کے ماہرین میں سے ہیں۔

طب یونانی:

اس میدان میں فارغین مدارس کی گراں قدرخدمات ہرزمانے میں رہی ہیں،خواہ ان کاتعلق امراض کی تشخیص سے ہو یا علاج ومعالجہ سے ہو یادیگرطبی تحقیقات ہیں۔اورآج کے دورمیں فارغین مدارس،طب یونانی کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد نہ صرف سرکاری یونیورسٹیوں اورطبی اداروں میں بطور استاذ خدمت انجام دے رہے ہیں ، بلکہ حکومت کے متعدد یونانی اسپتالوں،تحقیقی مراکز، پرائیویٹ نرسنگ ہومس اور ذاتی شفاخانوں میں غریب ونادارطبقہ کوبیش بہاطبی سہولیات، نہ صرف شہروں بلکہ ملک کے دیہی علاقوں میں نہایت ہی ذمہ داری اورخوش اسلوبی کے ساتھ فراہم کررہے ہیں۔اورشاید کہ سب سے زیادہ گراں قدرخدمات یہ طبقہ اسی میدان میں انجام دے رہا ہے۔ بہت سی بیماریوں کی تشخیص اوران کے اسباب دریافت کرنے اورعلاج ومعالجہ کے ساتھ ساتھ بہت سی قدیم وعہدوسطی کی یونانی تحقیقات کامختلف زبانوں سے خاص کرعربی وفارسی سے ترجمہ کرنے میں بھی اہم رول نبھارہے ہیں۔طب یونانی کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ظہوراسلام کے بعد مسلم محققین نے طب نبوی کی روشنی میں اس میدان میں مزید اضافہ کیا۔ایک رپورٹ کے مطابق صرف ہندوستان ہی میں ایک لاکھ بائیس ہزارطب یونانی کے فامولے مختلف زبانوں میں موجود ہیں۔(۱) جو ملک کے لیے انمول قومی سرمایہ ہیں اوراس کی اہمیت وافادیت میں روز بروز نہ صرف ہندوستان میں اضافہ ہورہا ہے بلکہ مغربی ممالک میں ماہرین طب وعوام کی مقبولیت میں حیرت انگیز طور پراضافہ ہورہا ہے۔اس میدان میں ہماری خدمات کو نہ صرف عوام نے سراہا ہے بلکہ حکومت نے بھی قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا ہے اوراعزاز واکرام سے نوازا بھی ہے۔حکومت ہند نے پروفیسر حکیم سید ظل الرحمٰن،سابق ڈین حکیم اجمل خاں،طبیہ کالج علی گڑھ کوان کی اس میدان میں گراں قدرخدمات کے صلہ میں پدم شری کے اعزاز سے سرفراز کیا ہے۔

چند مشہور ناموں کا ذکر ذیل میں بطور مثال پیش کیا جاتا ہے:

پدم شری پروفیسر حکیم سید ظل الرحمٰن، سابق ڈی حکیم اجمل خاں طبیہ کالج علی گڑھ اور سابق مشیر (Consultant) عالمی ادارۂ صحت (WHO)، خطہ جنوب ومشرقی ایشیا مشیر برائے ترویج یونانی ادویہ، بنگلہ دیش۔

پروفیسر سید مودود اشرف، سابق ڈین، حکیم اجمل خاں طبیہ کالج علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

ڈاکٹر عبدالحنان، ڈپٹی ڈائریکٹر، ریجنل سنٹر ریسرچ اسٹی ٹیوٹ فار یونانی میڈیسن (RRIUN)

ڈاکٹر وسیم احمد اعظمی، اسسٹنٹ ڈائریکٹر، سنٹرل ریسرچ اسٹی ٹیوٹ فار یونانی میڈیسن، لکھنؤ

ڈاکٹر اقبال قاسمی، حکیم اجمل خاں طبیہ کالج، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

ڈاکٹر امان اللہ، ریسرچ آفیسر، ڈپارٹمنٹ آف آیوش، وزارت صحت

اس کے علاوہ دینی مدارس کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ اس کے فارغین محمد شاہد نے ۲۰۰۰ء اور ڈاکٹر وسیم الرحمٰن قاسمی نے ۲۰۰۸ء میں سول سروسز (عوامی خدمات) کے میدان میں بھی کامیابی حاصل کی ہے۔ یہ ایک انتہائی قابل ستائش عمل ہے اور امید ہے کہ اس میدان میں اس طبقہ کی نمائندگی میں مزید اضافہ ہوگا، کیونکہ گذشتہ دو تین سالوں سے متواتر فارغین مدارس اس امتحان کے آخری مرحلہ (انٹرویو) تک میں حاضر ہوتے رہے ہیں۔ یہاں اس بات کا ذکر کرنا باعث مسرت ہے کہ حکومت کے ان اہم اداروں اور محکموں میں یہ عصری جامعات سے اعلیٰ تعلیم یافتہ فارغین مدارس (۱) زیادہ تر اعلیٰ عہدوں پر ہی فائز ہیں اور وہ بھی مرکزی حکومت کے دفتروں میں ان اداروں میں ہماری یہ نمائندگی نہ صرف قابل ستائش عمل ہے بلکہ اورں کے لیے مشعل راہ بھی ہے اور قوم وملت کے لیے ایک سرمایہ بھی ہے۔

بیرون ملک خاص کر عرب ممالک میں بھی فارغین مدارس کا عصری جامعات سے اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ وہاں کی یونیورسٹیوں، کالجوں، اسکولوں اور دیگر سرکاری وغیر سرکاری اداروں ومحکموں کے مختلف شعبوں میں مختلف قسم کے عہدوں پر فائز ہیں اور وہاں کی دینی، سماجی، تعلیمی اور اقتصادی ترقی میں اہم کردار نبھا رہا ہے۔ ذیل میں بڑے ناموں کا ذکر بطور مثال پیش کیا جاتا ہے:

۱- ڈاکٹر محمد ایوب، سابق ریڈر (انگریزی) ایجوکیشن کالج، زنجبار، تنزانیہ۔ یہ کالج انٹرنیشنل یونیورسٹی افریقہ خرطوم کے ماتحت ہے۔

۲- ڈاکٹر شفیع ہاشم، مشیر دیوان امیر کویت۔

۳- ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن، امریکن اسکول دبئی۔

۴- پروفیسر ڈاکٹر سلمان ندوی، ڈربن یونیورسٹی، جنوبی افریقہ۔

عصری جامعات سے اعلیٰ تعلیم یافتہ فارغین مدارس ملک کے مختلف شہروں میں واقع عرب ممالک کے سفارت خانوں اور قونصل خانوں میں بھی برسر روزگار ہیں۔ ان میں ان کی تقرری مختلف شعبوں کے مختلف قسم کے عہدوں پر ہے جن میں امور تاشیرات، ابلاغیات ونشریات، شعبۂ تعلیم وثقافت اور نظم ونسق اہم ہیں۔

آج عالم کاری کے اس دور میں مختلف غیر ملکی کمپنیوں کی آمد نے ہندوستان میں روزگار کے منظر نامہ کو ہی بدل دیا ہے۔ اگر ہم ان کمپنیوں میں بلا واسطہ و بالواسطہ منسلک ملازمین کا جائزہ لیں تو شاید ان طبقات کے مقابلے میں عام لوگوں کی تعداد زیادہ ملے گی، جنہیں سرکاری ملازمتوں میں تحفظات حاصل ہے، کیونکہ سرکار اور منافع کمانے والی کمپنیوں کی پالیسی میں بنیادی طور پر نظریے کا فرق ہے اور اس فرق کی وجہ سے اس کا فائدہ ان لوگوں کو زیادہ حاصل ہوتا ہے جو اعلیٰ تعلیم سے مزین ہیں اور اسی بنا پر اس سے ملک کا ہر طبقہ یکساں طور پر مستفیض ہو رہا ہے۔ فارغین مدارس اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں، ان کی ایک بڑی تعداد ان مختلف ملکی کمپنیوں کے مختلف قسم کے عہدوں پر ہندو بیرون ہند ملازم ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہی ہے کہ عصری جامعات سے اعلیٰ تعلیم یافتہ فارغین مدارس کی ایک بڑی تعداد، دوران تعلیم ہی ان مذکورہ سرکاری و غیر سرکاری اداروں اور کمپنیوں سے منسلک ہو جاتی ہے۔

فارغین مدارس کا عصری جامعات میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیمات، عادات و اخلاق اور اقدار کو فروغ دینے اور مدارس پر، دہشت گردی کی پناہ گاہ، تشدد پسندی کی تعلیم گاہ اور قدامت پرستی کی آماجگاہ جیسے سنگین اور بے بنیاد الزامات، جو اکثر و بیشتر ایک خاص طبقہ کی جانب سے عائد کئے جاتے رہے ہیں، کا مناسب جواب دینے میں بھی اہم کردار رہا ہے۔ شاید کہ فارغین مدارس کو جس قدر اس قسم کے بے جا الزامات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اوروں کو نہیں، کیونکہ ملک کی دانش گاہیں اور حکومت کے تحقیقی و انتظامی ادارے ملک کے دانشمندوں اور ہر طرح کے علوم و فنون کے ماہرین کی آماجگاہ ہیں۔ یہ طبقہ ملک کی پالیسی طے کرنے اور بڑے بڑے قومی اور عالمی پیمانے کے مسائل کو سلجھانے میں اہم رول ادا کرتا ہے۔ یہاں بدنصیبی کی بات یہ ہے کہ اس طبقہ میں بھی ایسے عناصر کی موجودگی ہے جن کا تعلق کسی ایک خاص مکتب فکر سے ہے جو مدارس کو تعصب یا شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس سے بڑا ستم یہ ہے کہ مسلمانوں کی تعلیمی و سماجی پسماندگی اور مالی زبوں حالی کا سبب بھی انہیں مدارس کو ٹھہراتے ہیں۔ پچھلے کئی دہائیوں سے ''دہشت گردی'' ایک اہم موضوع بنا ہوا ہے۔ یہ ملک کی سالمیت اور اتحاد کی بقا کے لیے سب سے بڑا خطرہ ہے، لیکن اسے خاص طبقہ کے ساتھ جوڑ کر دیکھا جاتا ہے، جو حقیقت بیانی سے روگردانی اور تعصب پسندی کا نتیجہ ہے۔

اس قسم کے تمام بے بنیاد الزامات کا جواب عصری جامعات کے فارغین مدارس نے ہر موقع پر نہ صرف اپنی زبان سے دیا ہے بلکہ اپنے اعلیٰ اخلاق و کردار اور عمدہ کارکردگی سے ثابت بھی کیا ہے کہ نہ تو وہ مسلم سماج کی پسماندگی کا سبب ہے اور نہ ہی ان کے مادر علمی تشدد پسندی، قدامت پرستی اور دہشت گردی کے اڈے ہیں۔ مختلف موضوعات پر علمی بحث و مباحثہ، سیمینار، سیاسی گفتگو، ثقافتی پروگرام اور کھیل کود کے مقابلوں میں شرکت کر کے اور عمدہ کارکردگی پیش کر کے لوگوں کو مدارس کی حقیقت سے آشنا کرا دیا ہے اور اس بات پر مجبور کر دیا ہے کہ وہ منفی پہلوؤں اور مثبت پہلوؤں دونوں کا جائزہ لیں اور پھر اس کے بعد ہمارے مدارس کے اچھے یا برے ہونے کا فیصلہ کریں۔

سیاسی سرگرمیاں:

کسی بھی ملک کی یونیورسٹیاں اور دیگر تعلیمی ادارے صرف اعلیٰ تعلیم اور مختلف قسم کے علوم و فنون کے مرکز ہی نہیں ہوتے ہیں بلکہ سیاست کی بہترین تجربہ گاہ بھی ہوتی ہیں، اور جب چوٹی کے ملکی و عالمی سطح کے سیاسی رہنماؤں کی سیاسی زندگی کا مطالعہ

کیا جاتا ہے تو ان میں سے بیشتر ابتدائی سیاسی زندگی یونیورسٹی یا کالج واسکول سیاست سے ضرور جڑی ہوئی ملتی ہے۔اس حقیقت سے ہمارے ملک کی عصری جامعات اور دیگر تعلیمی ادارے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ یہاں صرف بڑے بڑے مفکر، محقق، دانشور اور منتظم ہی نہیں تیار ہوتے ہیں بلکہ ملک کو درکار عظیم سیاست داں اور اعلیٰ قسم کے مدبر کی فراہمی بھی یہیں سے ہوتی ہے۔

فارغین مدارس کا عصری جامعات کی سیاست میں ابتداء ہی سے اہم رول رہا ہے۔ اتحاد الطلبہ (Student Union) کے عہدوں کا انتخاب ہو یا ہاسٹل وغیرہ کے ممبران کا، ہر سطح پر اس جماعت نے قسمت آزمائی کی ہے اور بہت سے انتخاب میں مختلف عہدوں پر جیت بھی درج ہے۔اس ضمن میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، جامعہ ملیہ اسلامیہ، جامعہ عثمانیہ حیدرآباد، جواہر لال نہرو یونیورسٹی اور انگلش اینڈ فارن لنگویجز یونیورسٹی حیدرآباد کا ذکر موزوں ومناسب ہوگا۔ ملک کی ان نامور یونیورسٹیوں کے اتحاد الطلبہ کے صدر، نائب صدر، جنرل سکریٹری اور جوائنٹ سکریٹری تک کے عہدوں پر انتخاب میں کامیابی حاصل کرنا اور اس کی صحیح سمت میں رہنمائی کرنا، حقیقت میں دانشمندانہ حکمت عملی اور ذمہ دارانہ قیادت کی دلیل ہے۔ چند نام مع سیاسی عہدہ کے ذیل میں بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں:

حافظ عثمان، صدر اتحاد الطلبہ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی
اعظم بیگ، صدر اتحاد الطلبہ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی
فضل رب ملک، نائب صدر اتحاد الطلبہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی
فوزان ابرار، جنرل سکریٹری اتحاد الطلبہ جواہر لال نہرو یونیورسٹی
نوشاد عالم، صدر اتحاد الطلبہ انگلش اینڈ فارن لنگویجز یونیورسٹی حیدرآباد (متواتر تین مرتبہ)

یونیورسٹی سطح کی سیاست کے بعد یہ اعلیٰ تعلیم یافتہ فارغین مدارس قومی، صوبائی اور علاقائی سیاست میں بھی سرگرم نظر آرہے ہیں۔آسام کے گذشتہ سال اسمبلی انتخاب میں حافظ بشیر احمد قاسمی اور حافظ رفیق احمد قاسمی کی کامیابی اس سمت میں اوروں کے لیے ایک نئی راہ ہے۔

یہاں اس بات کا ذکر مناسب ہوگا کہ عام طور پر فارغین مدارس کا متوسط طبقہ ہی اعلیٰ تعلیم کے لیے ملک کی عصری جامعات کا رخ کرتا ہے، اس کی جو بھی اسباب ووجوہات ہو اس سے قطع نظر میں یہ بات ضرور کہوں گا کہ اگر امتیازی نمبرات حاصل کرنے والے فارغین مدارس، اعلیٰ تعلیم کے لیے ملک کی عصری جامعات کا رخ کرتے اور ہمارے مدارس کے نصاب تعلیم میں بھی بتقاضائے وقت عصری علوم کی شمولیت ہوتی تو شاید کہ نتیجہ اور بہتر ہوتا، جیسا کہ ہمارے عہد وسطیٰ کے مدارس ابتداء میں صرف دینی اغراض ومقاصد کے لیے قائم کئے گئے تھے، لیکن بعد کے ادوار میں گردش ایام کے ساتھ ساتھ ان کے نصاب تعلیم اور اغراض ومقاصد سیاسی وسماجی تغیرات کے ساتھ بدلتے بھی رہے اور ان کا استعمال دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ دنیاوی تعلیم کے لیے بھی ہونے لگا جن میں حکومت کے انتظام کے لیے درکار افراد تیار کرنا ایک اہم مقصد تھا اور طلبہ کو دینی علوم

کے ساتھ ساتھ علم طب، کیمیائی، ریاضی، جغرافیہ، تاریخ، فلسفہ ومنطق اور حکومت کے انتظامی امور کے متعلق بھی تعلیم دی جاتی تھی۔اس طرح اس دور کے مدارس صرف دینی تعلیم کے لیے ہی خاص نہیں تھے بلکہ دیگر علوم کی اعلیٰ تعلیم گاہ بھی تھے اور اس عہد کے شہروں کو علمی وفنی اعتبار سے وہی حیثیت حاصل تھی جو آج کل یورپ اور امریکہ شہروں کو حاصل ہے۔

---

(۱) Times of India, Kolkata, dated 4th January 2012

(۲) لگ بھگ سبھی فارغین مدارس A گریڈ گزیٹیڈ آفیسر کے عہدوں پر فائز ہیں۔

☆☆☆

مولانا عبدالحمید صاحب رحمانی کی وفات

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے سابق جنرل سکریٹری، منہج سلف کے بے باک ترجمان اور پرجوش داعی، شعلہ بیاں خطیب نیز بے شمار گوناگوں صلاحیتوں کے مالک مولانا عبدالحمید عبدالجبار رحمانی کا ایک طویل علالت کے بعد ۲۰/اگست ۲۰۱۳ء کو بوقت صبح انتقال ہوگیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔اسی دن شام کو بعد نماز عصر آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی اور بعد نماز مغرب جامعہ نگر قبرستان بٹلہ ہاؤس میں تدفین عمل میں آئی۔

مولانا کے بنارس اور اہل بنارس سے گہرے روابط تھے، جامعہ رحمانیہ مدن پورہ بنارس سے ۱۹۶۲ء میں آپ نے فضیلت کی تعلیم مکمل کی، اس کے بعد ۴/سال جامعہ رحمانیہ اور ۲/سال جامعہ سلفیہ میں تدریسی فرائض انجام دیتے رہے۔آپ کے نمایاں شاگردوں میں جامعہ سلفیہ کے موجودہ صدر مولانا شاہد جنید صاحب ہیں جو اپنے استاد محترم کی وفات کی خبر سن کر دہلی روانہ ہوئے اور آپ کی نماز جنازہ وتدفین میں شریک رہے۔

جامعہ سلفیہ بنارس میں بھی آپ کی نماز جنازہ غائبانہ ادا کی گئی، جس کی امامت مولانا محمد مستقیم سلفی صاحب نے فرمائی۔ غفر الله له وأجزل مثوبته وأسكنه فسيح جناته۔ (ادارہ)

صحابیٔ رسول حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

فرید احمد خورشید احمد سدھارتھ نگری/ف۳

اس روئے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے بعد افضل ترین جماعت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت ہے جنہوں نے نبی ﷺ کے ارشادات وفرمودات کو اخذ کیا اور "بلغوا عني ولو آية" کے تحت آپ کے فرمان رسالت کو دوسروں تک پہونچایا، یہی وجہ ہے کہ اللہ رب العالمین نے قرآن کریم کے اندر جابجا صحابہ کرام کی فضیلت کو بیان کیا ہے، نبی ﷺ نے بھی اپنے پاکباز صحابہ کو مختلف اوقات میں جنت کی خوشخبری دی ہے، وہ باسعادت وخوش نصیب افراد جن کو نبی ﷺ نے بیک وقت ایک ہی مجلس میں جنت کی خوشخبری سنائی ان کی تعداد دس ہے، جن میں ایک جلیل القدر صحابیٔ رسول حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا نام ہے، آپ سابقین اولین میں سے ہیں، آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام لائے، نیز آپ ان چھ اصحاب شوری میں سے ایک ہیں جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خلافت کے لیے منتخب کیا تھا۔ ذیل کے سطور میں آپ رضی اللہ عنہ کی زندگی کے چند پہلوؤں پر روشنی ڈالی جارہی ہے:

نام: آپ کا نام عبدالرحمٰن بن عوف القرشی الزھری ہے، آپ کی کنیت ابومحمد ہے، جاہلیت میں آپ کا نام عبدعمرو تھا، ایک قول کے مطابق عبدالکعبہ تھا، تو رسول اکرم ﷺ نے آپ کا نام عبدالرحمٰن رکھا۔(۱) آپ کے والد کا نام عوف اور والدہ کا نام شفاء بنت عوف بن عبد بن الحارث بن زھرۃ تھا۔(۲)

نسب نامہ: آپ کا نسب نامہ یہ ہے: عبدالرحمٰن بن عوف بن عبدعوف بن عبد بن الحارث بن زھرۃ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لؤی بن غالب القرشی الزھری۔(۳)

ولادت: آپ کی ولادت باسعادت عام الفیل کے دس سال بعد ہوئی۔(۴)

اسلام: آپ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے دارارقم میں داخل ہونے سے پہلے اسلام لائے۔(۵)

غزوات میں شرکت: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے دین کی سربلندی اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے اپنے آپ کو

(۱) الاستیعاب: ۸۴۴/۲۔

(۲) معرفۃ الصحابۃ: ۱۸۱۰/۴، الاستیعاب: ۸۴۴/۲۔

(۳) الاستیعاب: ۸۴۴/۲۔

(۴) اسد الغابۃ: ۴۹۵/۳۔

(۵) فضائل الصحابۃ: ۱۲۵۵/۲، اسد الغابۃ/۴۹۵۔

اللہ کے راستے میں وقف کر دیا تھا، آپ غزوۂ بدر وغزوۂ احد بلکہ تمام غزوات میں اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ شریک رہے اور بڑی جانبازی اور بہادری کے ساتھ اکثر معرکوں میں زبردست کارہائے نمایاں انجام دیا، یہاں تک کہ رسول اکرم ﷺ نے دومۃ الجندل کے موقع پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو قبیلۂ کلب کی طرف بھیجا اور اپنے دست مبارک سے ان کو عمامہ باندھا، اور اس کو دونوں کندھوں کے درمیان لٹکا دیا، پھر آپ نے فرمایا: اللہ کا نام لے کر جاؤ اور آپ کو جنگ کے تعلق سے چند وصیتیں کیں، پھر آپ نے ارشاد فرمایا: "إن فتح الله عليك فتزوج بنت مليكهم، أو قال شريفهم" اگر اللہ تم کو فتح نصیب کرے تو وہاں کے بادشاہ کی لڑکی سے (یا ان میں شریف زادی سے) شادی کر لینا، ان میں اصبغ بن ثعلبہ بن ضمضم الکلبی شریف تھے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اصبغ کی لڑکی تماضر بنت اصبغ سے شادی کر لی، اور ان سے ابوسلمہ الفقیہ پیدا ہوئے۔(۱)

غزوۂ احد میں آپ کے جسم پر اکیس زخم لگے تھے، بالخصوص پیر میں زخم لگنے کی وجہ سے صحت یابی کے باوجود بھی صحیح طور سے نہیں چل پاتے تھے اور اسی غزوہ میں آپ کے سامنے کے دو دانت بھی شہید ہو گئے تھے۔(۲)

آپ کی زندگی کے چند اہم واقعات:

(۱) جب مہاجر لوگ مدینہ میں آئے تو رسول اللہ ﷺ نے عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد بن ربیع رضی اللہ عنہما کے درمیان مواخاۃ اور بھائی چارہ کرا دیا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں انصار کا سب سے زیادہ دولت مند اور صاحب ثروت ہوں، اس لیے آپ میرا آدھا مال لے لیں اور میری دو بیویاں ہیں، آپ انہیں دیکھ لیں، جو آپ کو پسند ہو اس کے متعلق آپ مجھے بتائیں میں اسے طلاق دے دوں گا، عدت گذرنے کے بعد آپ اس سے نکاح کر لیں، اس پر عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: "بارك الله لك في أهلك و مالك" اللہ تعالیٰ تمہارے اہل وعیال اور مال ودولت میں برکت عطا فرمائے۔ تمہارا بازار کدھر ہے؟ چنانچہ میں (سعد بن ربیع) بنی قینقاع کا بازار انہیں بتا دیا، جب کچھ تجارت کر کے لوٹے تو ان کے ساتھ کچھ پنیر اور گھی تھا، پھر وہ اسی طرح روزانہ صبح سویرے بازار میں چلے جاتے اور تجارت کرتے۔ آخر ایک دن نبی کی خدمت میں آئے تو ان کے جسم پر (خوشبو کی) زردی کا نشان تھا، تو آپ نے فرمایا: "مَهْيم؟" یہ کیا ہے؟ انہوں نے بتایا میں نے شادی کر لی ہے، تو آپ نے فرمایا: "كم سقت إليها" مہر کتنا ادا کیا، تو حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا کہ سونے کی ایک گٹھلی یا یہ کہا کہ ایک گٹھلی کے وزن برابر سونا ادا کیا ہے۔ (یہ راوی ابراہیم کو شک ہے)۔(۳)

---

(۱) اسد الغابۃ: ۹۶/۳-۴۹۵، الاستیعاب: ۴۴/۲-۸۴۵، الطبقات الکبری لابن سعد: ۱۲۹/۳۔

(۲) اسد الغابۃ: ۴۹۶/۳۔

(۳) بخاری کتاب المناقب الانصار، باب اخاء النبی ﷺ بین المھاجرین والأنصار (۳۷۸۰) بروایت ابراہیم بن سعد عن ابیہ عن جدہ۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "أولم ولو بشاة" (۱) ولیمہ کرو خواہ ایک بکری ہی کیوں نہ ہو۔

(۲) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پاس کھانا لایا گیا، آپ اس دن روزے سے تھے، انہوں نے کہا کہ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ (جنگ احد میں) شہید کر دیئے گئے وہ مجھ سے افضل اور بہتر تھے، لیکن انہیں جس چادر کا کفن دیا گیا (وہ اتنی چھوٹی تھی کہ اگر اس سے ان کا سر چھپایا جاتا تو پاؤں کھل جاتا اور پاؤں چھپایا جاتا تو سر کھل جاتا تھا) اور حمزہ رضی اللہ عنہ بھی شہید کئے گئے وہ مجھ سے بہتر اور افضل تھے، ہمارے لیے دنیا میں کشادگی دی گئی، ہمیں تو اس کا ڈر ہے کہ کہیں یہی ہماری نیکیوں کا بدلہ نہ ہو جو اسی دنیا میں ہمیں دیا جا رہا ہے، اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ اتنا روئے کہ کھانا نہ کھا سکے۔ (۲)

(۳) نوفل بن ایاس الہذلی کہتے ہیں کہ ہم عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھے تھے اور وہ بہتر ہم نشین تھے، ایک دن ہم ان کے ساتھ ان کے گھر آئے تو انہوں نے غسل کیا، پھر غسل کر کے نکلے پھر ہمارے ساتھ بیٹھے تو ایک پیالہ لایا گیا جس میں روٹی اور سالن (گوشت) تھا، جب وہ رکھا گیا تو عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ رونے لگے، ہم نے ان سے رونے کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے، آپ اور آپ کے گھر والے کبھی آسودگی سے جَو کی روٹی نہیں کھائی۔ (۳)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ انفاق فی سبیل اللہ کے آئینے میں:

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی سخاوت وفیاضی کا سلسلہ نبی کریم ﷺ کے زمانے ہی سے شروع ہو گیا تھا، آپ رضی اللہ عنہ اللہ کی راہ میں بے دریغ اور بے تحاشہ مال خرچ کرتے تھے، آپ اکثر مواقع پر بڑی بڑی رقمیں خرچ کرتے تھے۔ ذیل کے سطور میں آپ رضی اللہ عنہ کی سخاوت وفیاضی کے چند نمونے پیش خدمت ہیں:

(۱) امام زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے زمانے میں اپنا آدھا مال یعنی چار ہزار دینار صدقہ کیا، پھر دو مرتبہ چالیس چالیس ہزار دینار صدقہ کیا، پھر پانچ سو گھوڑے (سامان سے لدے ہوئے) فی سبیل اللہ وقف کیا، پھر پندرہ سو فی سبیل اللہ وقف کیا۔ (۴)

(۲) آپ رضی اللہ عنہ کی فیاضی کا عالم یہ تھا کہ انہوں نے ایک مرتبہ ایک دن میں تیس غلاموں کو آزاد کر دیا تھا۔ (۵)

---

(۱) بخاری کتاب المناقب الانصار، باب اخاء النبی ﷺ بین المھاجرین والأنصار (۳۷۸۱) بروایت ابراہیم بن سعد عن ابیہ عن جدہ۔

(۲) بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ أحد (۴۰۴۵) بروایت سعد بن ابراہیم عن أبیہ۔

(۳) صفۃ الصفوۃ: ۱/۱۲۱۔

(۴) صفۃ الصفوۃ: ۱/۱۲۰، اسد الغابۃ: ۳/۴۹۸۔

(۵) اسد الغابۃ: ۳/۴۹۶۔

(۳) آپ رضی اللہ عنہ بہت بڑے تاجر اور صاحب ثروت تھے، ایک مرتبہ وہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے تو انہوں نے کہا اے ام المؤمنین! میں کثرت مال کی وجہ سے ہلاک ہو جانے کا خوف کھاتا ہوں تو ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: "يا بني أنفق" اے بیٹے خرچ کرو۔(۱)

(۴) ام بکر بنت مسور کہتی ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ایک زمین چالیس ہزار دینار میں بیچی تو اس کو قبیلۂ بنی زہرہ کے فقراء، مہاجرین اور امہات المؤمنین کے درمیان تقسیم کر دیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: "سقى الله ابن عوف من سلسبيل الجنة" اللہ ابن عوف کو جنت کے چشموں سے سیراب کرے۔(۲)

روایت حدیث:

اللہ تعالی نے نبی ﷺ کو کامل شریعت دے کر اس دنیا میں بھیجا تا کہ اس کی توضیح وتشریح فرما کر کے اس کے بندوں تک کما حقہ اس کا پیغام پہنچا دیں، چنانچہ نبی ﷺ کے سب سے پہلے مخاطبین صحابہ کرام تھے، تمام صحابہ کرام نے اس کو صحیح طریقہ سے سمجھا پھر اس کو دوسروں تک پہونچایا، اور آپ کے فرمودات کو حتی الامکان عملی جامہ پہنانے کی کوشش بھی کی۔

نبی ﷺ نے اسی کی طرف رغبت دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا: "بلغوا عني ولو آية" (۳) میری جانب سے پہونچا دو گرچہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو۔ نبی ﷺ کے اس کار خیر پر عمل پیرا ہونے والے شخص کے لیے تر وتازگی کی دعا فرمائی ہے: "نضر الله عبدا سمع مقالتي فحفظها ووعاها ... الحديث" (۴) اللہ تعالی اس شخص کو خوش وخرم اور تر وتازہ رکھے جس نے میری باتوں کو سن کر یاد رکھا اور حفظ کر لیا پھر دوسروں تک ان کو پہونچایا۔

چونکہ انہیں صحابہ کرام میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی ہیں، جنہوں نے آپ کے اقوال وافعال، طور وطریقے کو اپنے سینے میں محفوظ رکھ کر اس کو دوسروں تک پہونچایا، آپ رضی اللہ عنہ نے دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرح نبی ﷺ سے روایتیں کی ہیں، آپ سے کل ۶۵/ حدیثیں مروی ہیں۔(۵)

---

(۱) اسد الغابۃ: ۳/۴۹۷۔

(۲) تاریخ الاسلام ووفیات المشاہیر والاعلام: ۲/۲۱۳، حلیۃ الاولیاء: ۱/۹۸۔

(۳) بخاری، کتاب الأحادیث الانبیاء، باب ماذکر عن بنی اسرائیل (۳۴۶۱)

(۴) ترمذی: کتاب العلم، باب ماجاء فی الحث علی تبلیغ السماع (۲۶۵۸) وصححہ الألبانی رحمہ اللہ۔

(۵) بقی بن مخلد القرطبی ومقدمۃ ومسندہ، ص: ۸۴۔

ازواج واولاد:

آپ رضی اللہ عنہ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، آپ کی بیویوں کی تعداد چودہ ہے اور وہ یہ ہیں: (۱) کلثوم بنت عتبہ بن ربیعہ (۲) کلثوم بنت عقبہ بن معیط (۳) بجیرہ بنت ہانی (۴) سہلہ بنت سہیل (۵) ام حکیم بنت قارظ (۶) اسماء بن سلامہ (۷) غزال بنت کسری (۸) بادیہ بنت غیلان (۹) سہلہ بنت عاصم (۱۰) تماضر بنت اصبغ (۱۱) مجد بنت یزید (۱۲) ام حریث (۱۳) زینب بنت الصباح (۱۴) بنت ابی الحشخاش۔

آپ کی اولاد بھی بہت زیادہ ہیں، جن میں ۲۱ رلڑکے اور ۷ رلڑکیاں ہیں اور وہ یہ ہیں:

لڑکے: (۱) سالم (۲) محمد (۳) ابوسلمہ فقیہ (۴) ابراہیم (۵) اسماعیل (۶) حمید (۷) زید (۸) معن (۹) عمر (۱۰) عدی (۱۱) عروہ اکبر (۱۲) سالم اصغر (۱۳) ابوبکر (۱۴) عبداللہ (۱۵) عبدالرحمٰن (۱۶) مصعب (۱۷) سہیل (۱۸) عثمان (۱۹) عروہ (۲۰) یحییٰ (۲۱) بلال۔ (۱)

لڑکیاں: (۱) ام قاسم (۲) حمیدہ (۳) امۃ الرحمٰن صغیر (۴) ام یحییٰ (۵) جویریہ (۶) امیہ (۷) مریم۔ واللہ اعلم (۲)

وفات: راجح قول کے مطابق حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ۳۲ھ میں آپ اس دنیا سے کوچ فرما گئے۔

حضرت ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف کہتے ہیں کہ میرے والد کی وفات کے دن میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا: "اذهب ابن عوف فقد أدركت صفوها وسبقت رنقها" (۳) اے ابن عوف جاؤ تم نے اس دنیا کا صاف حصہ پالیا اور اس کے گندم حصے سے آگے بڑھ گئے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جنازہ اٹھانے والوں میں سے تھے اور وہ کہہ رہے تھے "واجبلّاہ" (۴) ہائے پہاڑ ہم سے رخصت ہوگیا۔

آپ کی نماز جنازہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور آپ بقیع الغرقد میں سپرد خاک (دفن) ہوئے۔

☆☆☆

(۱) الطبقات الکبری لابن سعد: ۳/۱۲۷، الاستیعاب: ۲/۸۴۵۔

(۲) الطبقات الکبری لابن سعد: ۳/۱۲۸، الاستیعاب: ۲/۸۴۶۔

(۳) اسد الغابۃ: ۳/۵۰۰، حلیۃ الأولیاء: ۱/۱۰۰، تاریخ الاسلام ووفیات المشاہیر والاعلام: ۲/۲۱۴۔

(۴) فضائل الصحابۃ: ۲/۱۲۵۶۔

اخبار جامعہ

جامعہ سلفیہ بنارس میں نیا داخلہ اور آغاز تعلیم:

جامعہ سلفیہ بنارس میں تعلیمی سال ۱۴-۲۰۱۳ء کے لیے نئے داخلہ کا کام بحسن وخوبی مکمل ہوا، حسب پروگرام متوسطہ اولی، عالم اول، فضیلت اولی، شعبۂ حفظ اور شعبۂ تجوید کے لیے تحریری وشفوی داخلہ امتحان ۱۸ و ۱۹/ اگست ۲۰۱۳ء کو لیا گیا، اور (۱۰۳) طلبہ کا داخلہ عمل میں آیا، نیز شاخ سے آنے والے طلبہ کی تعداد (۹۵) ہے۔

جامعہ میں نئے تعلیمی سال کی تعلیم کا آغاز بروز سنیچر ۲۴/ اگست ۲۰۱۳ء کو کر دیا گیا۔

ذمہ داران جامعہ کے ساتھ اساتذہ کرام کی اہم میٹنگ:

بروز جمعرات بتاریخ ۵/ ستمبر بوقت ۱۱/ بجے دار الضیافہ جامعہ سلفیہ میں صدر جامعہ سلفیہ مولانا شاہد جنید صاحب، ناظم اعلی مولانا عبداللہ سعود صاحب ونائب ناظم مولانا عبداللہ زبیری صاحب کے ساتھ جامعہ کے اساتذہ کی ایک اہم میٹنگ منعقد ہوئی جس میں درس وتدریس اور انتظام وانصرام کے مسائل پر تبادلۂ خیال کیا گیا اور اس نئے تعلیمی سال میں جامعہ کے تمام شعبے بہتر سے بہتر کارکردگی پیش کر سکیں۔ اس کے لیے نائب شیخ الجامعہ کے منصب پر مولانا محمد یونس مدنی صاحب کی نامزدگی کے بعد حسب ذیل ذمہ داران منتخب کئے گئے:

(۱) تعلیمی کمیٹی:

۱- ڈاکٹر محمد ابراہیم صاحب مدنی
۲- مولانا عزیز الرحمٰن صاحب سلفی
۳- مولانا اسعد اعظمی صاحب
۴- مولانا محمد عبدالقیوم صاحب مدنی
۵- مولانا عبیداللہ طیب صاحب مکی

(۲) امتحانات وداخلہ کمیٹی:

۱- مولانا سعید میسور صاحب مدنی
۲- مولانا عبدالکبیر صاحب مدنی
۳- مولانا محمد عبدالقیوم صاحب مدنی
۴- مولانا محمد یونس صاحب مدنی
۵- مولانا عزیز الرحمٰن صاحب سلفی
۶- مولانا محمد ابوالقاسم صاحب سلفی

(۳) ادارۃ البحوث العلمیۃ:

۱- مولانا اسعد اعظمی صاحب
۲- ڈاکٹر محمد ابراہیم صاحب مدنی
۳- مولانا عبیداللہ طیب صاحب مکی
۴- مولانا محمد مستقیم صاحب سلفی
۵- مولانا علی حسین صاحب سلفی
۶- مولانا عزیز الرحمٰن صاحب سلفی

(۴) محدث:

۱- مولانا محمد ابوالقاسم صاحب سلفی — ایڈیٹر
۲- مولانا عبدالمتین صاحب مدنی — معاون ایڈیٹر

(۵)صوت الأمۃ: مولانا اسعد اعظمی صاحب ایڈیٹر	**(۶)شعبۂ افتاء:** ۱-مولانا علی حسین صاحب سلفی ۲-مولانا نور الہدی صاحب سلفی ۳-مولانا محمد اسلم صاحب مدنی
(۷)لجنۃ الحاق المدارس ومشرف علی الدعاۃ: ۱-مولانا عبد الکبیر صاحب مدنی ۲-مولانا محمد عبد القیوم صاحب مدنی ۳-مولانا محمد مستقیم صاحب سلفی ۴-مولانا سعید میسور صاحب مدنی ۵-مولانا اسعد اعظمی صاحب	**(۸)تحریر وتقریری مسابقہ کے ذمہ دار:** ۱-مولانا عزیز الرحمٰن صاحب سلفی ۲-مولانا محمد یونس صاحب مدنی
(۹)ندوۃ الطلبہ کے عربی اردو تقریر کے نمبرات کے اندراج کی ذمہ داری: ۱-مولانا محمد مستقیم صاحب سلفی ۲-مولانا عبد الرحیم صاحب ریاضی	**(۱۰)ثقافتی پروگرام کے ذمہ دار:** ۱-ڈاکٹر محمد ابراہیم صاحب بنارسی ۲-مولانا عزیز الرحمٰن صاحب سلفی
(۱۱)ندوۃ الطلبہ کی لائبریری کے ذمہ دار: مولانا محمد مستقیم صاحب سلفی	**(۱۲)دار الاقامہ کی نگرانی وطلبہ کو رخصت دینا:** ۱-مولانا محمد مستقیم صاحب سلفی ۲-مولانا محمد موسی صاحب ۳-مولانا محمد یحییٰ صاحب فیضی ۴-ماسٹر احمد حسین صاحب
(۱۳)نماز کی حاضری: ۱-مولانا محمد مستقیم صاحب سلفی ۲-مولانا محمد یحییٰ صاحب فیضی	**(۱۴)مطبخ کے نگراں:** ۱-حافظ عبد الحکیم صاحب فیضی ۲-ماسٹر نیر احمد صاحب

میٹنگ میں یہ بات بھی طے کی گئی کہ مذکورہ بالا کمیٹیاں ہر ماہ اپنی کارکردگی کا جائزہ لینے کے لیے شیخ الجامعہ مولانا نعیم الدین صاحب مدنی کی سرپرستی میں میٹنگ منعقد کریں۔

ظہر کی اذان ہونے کے ساتھ میٹنگ کے اختتام کا اعلان کیا گیا۔

☆☆☆

باب الفتاوی

سوال: دادا کی وراثت میں پوتا کا حق ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہوتا ہے تو ایسے محجوب لوگوں کے بارے میں شریعت کی کیا ہدایت ہے؟ قرآن وسنت کی رو سے جواب دے کر مشکور ہوں۔

الجواب بعون اللہ الوھاب وھو الموفق للصواب:

اولا: چچا کی موجودگی میں پوتا دادا کی وراثت کا حق دار نہیں بن سکتا، اس کی دلیل جاننے سے پہلے یہ بات ذہن نشین ہونی چاہئے کہ شریعت اسلامیہ نے جن رشتہ داروں کو اپنے میں سے کسی مرنے والے کا وارث ٹھہرایا ہے، ان کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم وہ رشتہ دار ہیں جن کا حصہ قرآن وسنت میں معین کر دیا گیا ہے، انہیں علم میراث کی اصطلاح میں اصحاب الفروض کہتے ہیں۔

دوسرے وہ ورثہ جن کے حصوں کی تعیین قرآن وسنت میں نہیں یعنی جو اصحاب الفروض کی عدم موجودگی میں سارا مال لے لیتے ہیں، اور اصحاب الفروض کی موجودگی میں ان سے بچا ہوا مال لیتے ہیں، انہیں عصبات کہتے ہیں، بھائی اور پوتا بھی میت کے ان ورثا میں سے ہیں جن کا حق وحصہ شریعت کی طرف سے معین نہیں ہے، عصبات میں مال کی تقسیم کا طریقہ یہ ہے کہ اصحاب الفروض کو ان کا مقرر کردہ حصہ وحق دے دینے کے بعد اگر ترکہ میں کچھ باقی ہے تو وہ عصبات کے ان مردوں کو دیا جائے گا جو میت کے زیادہ قریب ہوں، اس کی دلیل صحیحین کی حدیث ہے جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ألحقوا الفرائض بأهلها فما بقي فهو لأولى رجل ذكر" (صحیح بخاری، کتاب الفرائض، باب میراث الولد من أبیہ وامہ ح:۶۷۳۲) یعنی معین کردہ حقوق ان کے مستحقین کو دے دو، اور جو باقی بچ جائے وہ اس آدمی کے لیے ہے جو میت کا زیادہ قریبی ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا یہ فرمان واضح کرتا ہے کہ اصحاب الفروض کے مقررہ حصے پورے کر دینے کے بعد جو باقی بچے گا وہ مرد عصبات میں سے سب سے قریبی کے لیے ہے، کوئی دور والا اس کے ساتھ شریک نہیں ہوگا، امام نوویؒ نے اس پر اجماع نقل فرمایا ہے، چنانچہ آپ فرماتے ہیں: "وقد أجمع المسلمون على أن ما بقي بعد الفروض فهو للعصبات يقدم الأقرب فالأقرب، فلا يرث عاصب بعيد مع وجود قريب" (شرح نووی:۱۱/۵۳) یعنی مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ جو اصحاب الفروض کو دینے کے بعد بچ جائے، وہ عصبات کے لیے زیادہ قریبی کو مقدم کیا جائے گا، دور کا عصبہ ورثہ دار قریبی عصبہ کی موجودگی میں وارث نہیں بن سکتا۔

امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں باب قائم کیا ہے: باب ميراث ابن الإبن إذا لم يكن ابن" اس کے تحت فرماتے ہیں: "ولا يرث ولد الإبن مع الإبن" (صحیح بخاری، کتاب الفرائض، قبل الحدیث:۶۷۳۵)

بیٹے کے ہوتے ہوئے بیٹے کی اولاد وارث نہیں بن سکتی۔ (وہ اولاد میت کے کسی بھی زندہ یا فوت شدہ بیٹے کی ہو)

اسی طرح امام ابن حزم رحمہ اللہ اپنی مایہ ناز تصنیف المحلی ۹/۲۷۱، مسئلہ نمبر ۱۷۲۶ میں فرماتے ہیں: ولا يرث بنو الإبن مع الإبن الذكر شيئا أباهم كان أو عمهم ولا يرث بنو الأخ الشقيق أو للأب مع أخ شقيق أو لأب وهذا نص كلام النبي ﷺ في قوله "فلأولى رجل ذكر"، وإجماع متيقن".

محجوب الارث کا یہ مسئلہ جس کی رو سے بیٹے کے ہوتے ہوئے پوتا، دادا کے ترکہ سے حصہ نہیں پاتا، اور بھائی کے ہوتے ہوئے بھتیجا، چچا کے ترکہ سے نہیں پاتا، قرآن، حدیث، اجماع اور تعامل امت پر مبنی ہے، ساری امت اسلامیہ کا اسی پر عمل ہے اور اسی

پر عمل کرنا ضروری ہے۔

قرآن کریم میں ایک مقام پر اللہ رب العالمین کا ارشاد گرامی ہے: "لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاء نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيباً مَّفْرُوضاً" (النساء:۷)

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العالمین نے وراثت کی بناء قرابت قرار دی ہے، "أقرب" اسم تفضیل کا صیغہ ہے، جس کا مقتضا یہ ہے کہ میت کا وہ شخص وارث ہوگا جو اقرب الی المیت ہو، معلوم ہوا کہ "اقرب" کے ہوتے ہوئے "ابعد" وارث نہیں ہوسکتا، پس پوتا بیٹے کے ہوتے ہوئے (خواہ یہ بیٹا اس پوتے کا باپ ہو یا نہ ہو) دادا کے ترکہ سے نہیں پائے گا۔

ثانیا: اسلام نے دنیا کے اور مذاہب کی نسبت یتامی اور مساکین کا بہت زیادہ خیال رکھا ہے، اسی لیے تو اس نے غیر وارث قرابت داروں کے حق میں وصیت فرض قرار دی ہے، خواہ وہ غیر وارث رشتہ دار یتیم ہوں یا غیر یتیم، ارشاد باری تعالی ہے: "كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْراً الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالأَقْرَبِينَ" (البقرۃ:۱۸۰) تم پر فرض کر دیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی مرنے لگے (یعنی مرض الموت میں مبتلا ہو جائے) اور مال چھوڑ جاتا ہو تو اپنے ماں باپ اور قرابت داروں کے لیے اچھائی کے ساتھ وصیت کر جائے۔

وصیت کا یہ حکم آیت مواریث کے نزول سے پہلے دیا گیا تھا، اس کے بعد نبی کریم ﷺ کے اس حکم "إن الله قد أعطى كل ذي حق حقه، فلا وصية لوارث" (صحیح سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۱۱۲، ح:۲۱۹۲) سے وارثین کے حق میں وصیت منسوخ ہو گیا، لیکن غیر وارث قرابت داروں کے حق میں مذکور قرآنی حکم ابھی موجود ہے، حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۷۶، ۲۷۷ میں فرماتے ہیں: "إنها منسوخة فيمن يرث ثابتة فيمن لا يرث، وهو مذهب ابن عباس والحسن، ومسروق وطاؤس والضحاك ومسلم بن يسار والعلاء بن زياد، (قلت) وبه وقال أيضا سعيد بن جبير والربيع بن أنس وقتادة ومقاتل بن حيان"۔

اسی طرح علامہ عبدالرحمٰن بن ناصر السعدیؒ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وبقي الحكم فيمن لم يرثوا من الوالدين الممنوعين من الإرث وغيرهما من حجب بشخص أو وصف فإن الإنسان مأمور بالوصية لهؤلاء وهم أحق الناس ببره وهذا القول تتفق عليه الأمة ويحصل به الجمع بين القولين المتقدمين۔

اوپر مذکور تمام اقوال مفسرین سے معلوم ہوتا ہے کہ وصیت غیر وارثین کے حق میں محکم ہے، منسوخ نہیں ہے۔ اس لیے دادا کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے "محجوب پوتوں" کے حق میں وصیت کر جائیں، لیکن اگر کوئی دادا مسئلہ وصیت کو جاننے کے باوجود اپنے محجوب پوتوں کے حق میں وصیت نہیں کی اور انتقال کر جائے، تو ایسی صورت میں ان کی اولاد کو چاہئے کہ اپنے باپ کو ظلم و معصیت پر متوقع مواخذہ سے بچانے کے لیے محجوب پوتوں کو ان کی (دادا کی) کل جائداد کے تہائی (ثلث) میں سے جتنا مناسب معلوم ہو دے دیں۔

اللہ رب العالمین تمام مسلمانوں کو احکام اسلامی کی حکمت و جامعیت کو سمجھنے کی توفیق دے، آمین۔

الجواب صحیح
مولانا علی حسین سلفی
استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

ھذا ما عندی واللہ أعلم بالصواب
ابوعفان نور الہدی عین الحق سلفی مالدہی
استاذ جامعہ سلفیہ بنارس